۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور

علمائے لدھیانہ

مرتب

مفتی ضیاءالحسین فاضل دیوبند

مقیم مدینہ منورہ سعودی عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور علمائے لدھیانہ

مع

فتاویٰ قادریہ

مرتب

مفتی ضیاء الحسین فاضل دیوبند

مقیم مدینہ منورہ سعودی عرب

ناشر

اسلامی تعلیمی ادارہ رجسٹرڈ جامع مسجد قادریہ جناح کالونی

فیصل آباد

فتاویٰ قادریہ

اشاعت اول	۱۸۹۰ء بمطابق ۱۳۰۱ھ
اشاعت ثانی	۱۹۸۰ء
اشاعت ثالث	۱۹۹۵ء
تعداد	ایک ہزار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور علمائے لدھیانہ

اشاعت اول	۱۹۹۵ء
تعداد	ایک ہزار

ناشر

اسلامی تعلیمی ادارہ رجسٹرڈ جامع مسجد قادریہ جناح کالونی

فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان کے اندر مرزا غلام احمد قادیانی نے لدھیانہ شہر سے دعویٰ مسیحیت اور مہدیت کیا اور پھر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اس وقت کے مشہور علماء علمائے لدھیانہ میں سے مولانا محمد صاحبؒ، مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اور مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے مرزا کے کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ یہ ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف پہلا فتویٰ ہے۔

بعد میں تمام ہندوستان کے علماء نے مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ بلکہ علمائے لدھیانہ کے فتویٰ کی تائید و توثیق کی اور حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوریؒ کی کوشش سے علمائے حرمین نے بھی اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور یہ کتاب فتاویٰ قادریہ کے نام سے ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۹۰ء لدھیانہ سے شائع ہوئی۔ اب اس کتاب کو پرانی شکل میں فوٹو کر کے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ علمائے لدھیانہ کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شمولیت اور سید احمد شہیدؒ اور اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ معاونت کو بیان کیا۔

پہلی کتاب چونکہ نایاب ہو چکی ہے اس لیے علمائے پاکستان کے پُر زور اصرار پر دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔

مفتی ضیاء الحسین فاضل دیوبند مقیم مدینہ منورہ

ہندوستان کے اندر احیاء اسلام کے لیے علماء نے شاندار روایات چھوڑی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی گراں قدر مساعی اس کے لیے مشہور ہے اسی طرح علمائے لدھیانہ نے بھی احیائے اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے لیے گراں قدر کوششیں و مساعی کی ہیں۔ ہسٹری آف انڈیا میں یہ سب واقعات انگریز مؤرخ نے تحریر کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ معرکہ بالاکوٹ میں تشریف لے جانے کے لیے ارادہ فرما رہے تھے کہ راقم الحروف کے پردادا علامہ عبدالقادر لدھیانویؒ کے نام آپ حضرات کے خطوط آئے کہ اس معرکہ میں بدنی اور مالی اعانت فرمادیں۔ پردادا مرحوم ذاتی طور پر بعض حالات کی وجہ سے شریک معرکہ نہ ہوسکے لیکن آپ نے سید برادرز کی مالی اعانت فرمائی۔ یہ خطوط لدھیانہ میں اب تک محفوظ تھے۔ لیکن تقسیم ملک کے وقت سب کتب خانہ اور خطوط ضائع ہوگئے۔

مولانا عبدالقادرؒ راقم الحروف کے پردادا تھے جن کی نسل سے علمائے لدھیانہ مشہور ہوئے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ بڑے صاحبزادے مولوی سیف الرحمٰنؒ تھے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنے والد مولانا عبدالقادرؒ کے ساتھ شریک ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں افغانستان تشریف لے گئے اور وہیں

شادی کرلی اب معلوم ہوا کہ ان کا سارا خاندان جہاد افغانستان میں شریک ہے۔
دوسرے صاحبزادے مولانا محمد صاحبؒ تھے۔ تیسرے مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ تھے۔ آپ زبردست عالم دین تھے جن کی ہمت مردانہ سے فرقہ ہائے باطلہ خصوصاً غیر مقلد اور قادیانی خوف زدہ رہتے تھے۔ آپ نے اور آپ کے بھائی مولانا محمد صاحب نے جو کہ مشہور احرار لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دادا تھے نے ہندوستان میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا جبکہ رشید احمد گنگوہی صاحبؒ ابھی متذبذب تھے بعد میں تمام علمائے حجاز اور مصر نے ان کے فتویٰ کی تصدیق کی اور اس سلسلہ میں ایک کتاب فتویٰ قادریہ کے نام سے ۱۳۰۱ ہجری میں تحریر فرمائی۔ مولانا مفتی محمد عبداللہؒ راقم الحروف کے دادا تھے اور مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد نعیمؒ کے والد تھے۔ چوتھے مولانا عبدالعزیزؒ وقت کے قطب مشہور ہوئے اور علوم باطنی میں کمال رکھتے تھے۔

اسباب زوال حکومت مغلیہ

مسلم حکومتوں کے اسباب زوال تین ہیں۔ ترک تبلیغ، وراثتی جانشینی اور عیاشی۔
ترک تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکز حکومت آگرہ اور دہلی میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔

وراثتی جانشینی (جس کے قواعد بھی معین نہ تھے) کا نتیجہ یہ نکلا کہ جانشینیوں میں صرف پستی ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ان میں باہمی جنگیں بھی ہوئیں اور غیر مسلموں نے ان کے اختلاف کو بڑھایا

عیاشی اور کاہلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ سیاسی تدبیر اور نظم ونسق سے لاپرواہ ہو گئے۔

لہٰذا محمد شاہ کے عہد میں تمام ملک میں چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں پیدا ہو گئیں۔ جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو علاقائی تسخیر کا موقع ملا۔ اس نے ۱۱۷۰ھ میں بنگال پر ۱۲۱۳ھ میں سلطان ٹیپو کی ریاست میسور پر اور ۱۲۱۸ھ میں مرکزی حکومت دہلی پر قبضہ کرلیا۔ اس سے تین سال قبل سکھ قوم پنجاب پر قابض ہوگئی۔ (1215ھ تا 1225ھ) (۱۸۰۰ء تا ۱۸۴۹ء)

پھر انگریزوں اور سکھوں کے درمیان اتحاد قائم ہوا تو مسلمانوں کے خلاف سکھوں کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں۔ اس وقت افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کے فوت ہونے کے بعد باہمی کش مکش پیدا ہوگئی تھی۔

اس صورت حال سے متاثر ہو کر سید احمد شہیدؒ نے ۱۲۴۱ھ میں سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ انہوں ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ھ میں سکھوں سے پشاور لیا اور ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء تک جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں شہید ہوئے۔

اگرچہ سیاسی نتائج کے اعتبار سے یہ تحریک ناکام ہوئی لیکن اس سے تمام برصغیر کے مسلمانوں میں عظیم بیداری ہوگئی۔ چند سال بعد اسی تحریک نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جدوجہد کی صورت اختیار کرلی۔ بہادر شاہ ظفر اپنے وسائل وحالات کے اعتبار سے اس قابل نہ تھا کہ قوت کے ساتھ جنگ کرتا لیکن عام لوگوں نے (جس میں فوج بھی شامل تھی) مختلف علاقوں میں اپنے طور پر جنگ جاری رکھی۔ جس نے پھر ۱۲۷۳/۱۸۵۷ء میں عام جنگ کی صورت اختیار کرلی۔

اس وقت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ (۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۶ھ) نے فرضیت جہاد پر ایک فتویٰ مرتب کیا۔ جس سے مختلف الخیال طبقوں میں تنظیم پیدا ہوئی۔ کمپنی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔ مگر اتفاق سے اس وقت برطانیہ کی ایک فوج چین جا رہی تھی وہ ہندوستان لائی گئی۔ اس نے سکھوں اور ملکی غداروں کی مدد سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بچا لیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہندوستان کی سلطنت جاتی رہی۔ اس جہاد میں چونکہ کمپنی کی فوج بھی شامل تھی اس لیے انگریزوں نے اس کا نام غدر رکھا۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

جلال الدین اکبر کے عہد میں پیدا ہوئے۔ جہانگیر کے ہم عصر ہیں۔ دین اکبری کے پیدا کردہ فسادات کی اصلاح کی اور بڑی حد تک کامیاب رہے۔ علماء سو کی کمزوریوں کو واضح کیا۔ بدعت، حسنہ وسیئہ کی تقسیم کا ابطال کیا۔ وحدۃ الوجود اور گمراہ صوفیوں کی تردید کی۔

مقام صحابہ کرام ان کی اہمیت واحترام کو واضح کیا۔ آپ کے مکتوبات ان کے مباحث کا زندہ ثبوت ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس ملک کی درسیاست میں سیرت النبی ﷺ اور علم الحدیث کو رواج دیا۔ بیش قیمت تصنیفات پیش کی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اورنگ زیب عالمگیر کے آخر چار سالہ دور میں پیدا ہوئے۔ مغلوں کے زوال کا جائزہ لیا۔ حکومتوں کے عروج وزوال کے اسباب لکھے۔ قرآن مجید کا ترجمہ،

اصول تفسیر اور فلسفہ تشریح پیش کیا۔ فقہی مذاہب میں تطبیق دی۔ خلافت اسلامی اور ملوکیت کا فرق واضح کیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں جہاد اسلامی کا احساس پیدا کیا۔ آپ کے چاروں فرزند آپ کی ہی کی مثل مرجع العلماء اور یگانۂ روزگار تھے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

اپنے سب بھائیوں سے بڑے اور سب کے بعد فوت ہوئے۔ اس لیے اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جانشینی کا طویل فریضہ انہی پر عائد ہوا۔

ان کے زمانے ۱۲۱۵ھ میں پنجاب پر سکھوں کا قبضہ اور ۱۲۱۸ھ میں مرکز حکومت دہلی پر انگریز کا قبضہ ہوا۔ مسلمان بادشاہوں کے اختیارات انتہائی محدود کر دیے گئے۔ تو شاہ عبدالعزیزؒ نے اس ملک کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ ملک کے طول و عرض میں اس فتویٰ کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔

ایک طرف علمائے ٹھٹھہ (سندھ) نے اس فتویٰ کے حوالے سے دیار سندھ کو دارالحرب قرار دیا تو دوسری طرف بنگال میں حاجی شریعت اللہ نے فرائض دین قائم کرنے کی غرض سے فرائضی تحریک شروع کی۔

شاہ عبدالعزیز کا معمول یہ تھا کہ درس تدریس کے مخصوص حلقہ کے علاوہ عام

مسلمانوں کے لیے ہفتہ میں دو دن وعظ کرتے تھے۔ ان کی تعلیم وارشاد کا یہ سلسلہ تقریباً ۶۲ برس تک جاری رہا۔ اس طویل مدت میں آپ کے تربیت یافتہ افراد ہزاروں کی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں پھیل گئے۔

تحریک مجاہدین

کفار کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے پیش نظر شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی جماعت کو دو مقصد کے لیے تیار کیا۔ جہاد مع الکفار اور تعلیم دین، مقصد جہاد کے لیے اپنے تلمیذ خاص سید احمد بریلویؒ کو تیار کیا۔ ان کی اعانت اور مشورہ کے لیے اپنے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اپنے داماد مولانا عبدالحیؒ کو خصوصی مشیر قرار دیا۔

پھر ان سب کو ۱۲۳۲ھ میں بیعت جہاد لینے کے لیے ہندوستان کے دورہ پر بھیجا۔ اس کے بعد تمام قافلے کو حج پر جانے کا حکم دیا۔ جب یہ قافلہ حج سے واپس آیا تو شاہ عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ ۱۲۳۹ھ ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق ان کی جگہ جانشین مقرر ہوئے۔

لٰہذا ۱۲۴۱ھ میں مجاہدین کی اس جماعت نے راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور پشاور کے راستے چارہ سدہ پہنچ کر افغانستان قبائل کی مدد سے سکھوں سے جہاد شروع کر دیا۔

شاہ محمد اسحاق مرکز (دہلی) میں مقیم رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ مجاہدین کی سرپرستی فرماتے رہے۔ ان کے ذریعے مجاہدین کو روپیہ اور لشکر پہنچتا رہا۔

مجاہدین کا مقصد سکھا شاہی ختم کر کے انگریز سے نمٹنا تھا۔ یہ منصوبہ اگرچہ تکمیل نہ پا سکا۔ مولانا عبدالحیؒ پہلے ہی ۱۲۴۳ھ میں فوت ہو گئے۔ سید احمدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑتے ہوئے ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے مگر اس تحریک نے مسلمانوں میں عظیم بیداری پیدا کر دی جو آگے چل کر آزادی ہند کا باعث بنی۔

مولانا عبداللہ وؒ

اضلاع لدھیانہ، جالندھر اور ہوشیار پور کے سنگھم پر ایک قدیم بستی وانگو وال کے نام سے موسوم تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ف ۱۱۷۶ھ) اور مرزا مظہر جان جاناں (ف ۱۱۹۵ھ) کے مصاحبین میں سے ایک عالم دین مولانا عبداللہ اس بستی میں مقیم تھے جو مولانا عبداللہ وانگویؒ مشہور تھے۔

آپ سے دینی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے قریب و بعید سب علاقوں کے لوگ بکثرت حاضر ہوئے۔ مشرقی پنجاب میں آپ کو مرکزیت حاصل تھی۔ آپ کی بہت سی کرامات عوام و خواص میں اب تک منقول و مشہور ہیں لہٰذا ان کی

وفات کے بعد یہ بستی والیانوالہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

صوفی اکبر علی جالندھریؒ تحریر فرماتے ہیں جن ایام میں شاہ ولی اللہؒ اوران کے خاندان کے بے شمار فیض سے باشندگان دہلی مالا مال ہو رہے تھے۔ان ایام میں مولوی عبداللہ صاحب دانگویؒ علاقہ جالندھر میں بڑے زبردست عالم اور مشہور ولی تھے۔صدہا ان سے فیض پا کر علم ظاہر اور باطن کے پیشوا بن گئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن شریف اڑھائی ماہ میں حفظ کیا۔قصیدہ بردہ عربی (جن کے اشعار دوسو سے زائد ہیں) دودفعہ سن کر تیسری دفعہ زبانی سنا دیا۔

بیان کرتے ہیں کہ (دریا کا راستہ تبدیل ہونے کی وجہ سے) آپ کا جسم مبارک لحد سے چالیس دن کے بعد زندوں کی طرح صحیح وسلامت برآمد ہوا۔ناخون اور بال بدستور تھے۔

مولانا محمد لدھیانویؒ نے اسی روایت کو فتاویٰ قادریہ کے مقدمہ میں نقل کیا ہے اور بدستور تھے کہ بجائے بدستور بڑھے ہوئے تھے تحریر کیا ہے۔

مولانا حافظ حکیم عبدالوارثؒ

قبل ۱۱۵۰ء موضع نوکھر وال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔تعلیم وتربیت مولانا عبداللہ ولی دانگویؒ سے حاصل اور انہی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا اور انہی کے

پاس موضع دانگو (ولیانوالا) میں مستقل مقیم ہو گئے۔ آپ کے دولڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے جو مولانا عبدالقادرؒ، میاں غلام نبیؒ اور حافظہ بی بی ناموں سے معروف ہیں۔

مولانا علامہ عبدالقادر محدث لدھیانویؒ

آپ نے علم حدیث پہلے مولانا عبداللہ جیراجویؒ سے حاصل کیا، پھر دہلی گئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے براہ راست استفادہ کیا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ و تفسیر موضح القرآن کی فہرست لکھی اور شاہ عبدالعزیزؒ کے حواشی بدیع المیزان (منطق) کو مہذب و مرتب کیا اور بعض مقامات پر اپنے حواشی کا اضافہ کیا۔

دہلی سے فارغ ہو کر خانقاہ بلیہ وال مضافات لدھیانہ میں مربی و مدرس مقرر ہوئے۔ درس قرآن مجید کے علاوہ علم تفسیر و حدیث کو رواج دیا۔ اس وقت دہلی میں شاہ محمد اسحاق اور مشرقی پنجاب میں مولانا علامہ عبدالقادرؒ مرکز دین اور مرجع العلماء تھے۔

مولانا عبدالقادرؒ نے شاہ عبدالعزیزؒ کے طرز پر ہفتہ میں دو دفعہ وعظ کا طریقہ

بھی رائج کیا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ دارالحرب کی اہمیت کو واضح کیا۔ تحریک مجاہدین کی اعانت کی اور ۱۲۷۳ھ کی تحریک آزادی ہند میں فرضیت جہاد پر ایک فتویٰ جاری کیا اور اپنے تمام متعلقین سمیت اس میں بھرپور حصہ لیا۔

اس کے بعد آپ کے فرزند اکبر مولانا سیف الرحمٰنؒ نے افغانستان کے آزاد قبائل میں رہ کر انگریز کے خلاف عرصہ دراز تک جہاد جاری رکھا۔

آپ کے فرزند ثانی مولانا محمد لدھیانویؒ نے کتب حدیث (موطا امام محمد اور شرح معانی الاثار طحاوی) پر حواشی لکھے۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے فتویٰ کفر جاری کیا۔

آپ کے فرزند ثالث و رابع (مولانا عبداللہؒ و مولانا عبدالعزیزؒ) نے اس وقت کے فرقہائے باطلہ سے مناظرے کیے اور تمام ملک میں اپنے خرچ پر تبلیغی دوروں کو رواج دیا۔ تفصیلات آئندہ ابواب میں دیکھیے۔

مولانا عبدالقادر ۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۶ھ

ولیانوالا میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی گھر پر پڑھا اور علم حدیث کے لیے سفر کیا۔ آپ کی اسناد حدیث بواسطہ مولانا عبداللہ جیراجوی (جیراجپوری) شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ آپ کے فرزند مولانا محمد لدھیانویؒ

موطاامام محمد کے حواشی خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

عبدالقادر قال اجازنا واخبرنا بعلم الحدیث شیخی الکامل عبدالله جیراجوی اخبر نا عبدالقادر بن ولی الله عن والده

نیز آپ کے فرزند مولا نا عبدالعزیز لدھیانویؒ نے گلشن عزیز میں آپ کے سلسلہ سلوک وتصوف کی اسناد بھی یہی بیان کی ہے۔مگر خاندان کے بزرگوں میں مشہور ہے کہ مولا نا عبدالقادرؒ نے دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیزؒ،شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے براہ راست اجازت تفسیر وحدیث حاصل کر لی تھی اور شاہ عبدالقادرؒ کی اجازت سے ان کے ترجمہ وتفسیر موضح القرآن کی فہرست مرتب کی تھی۔اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ کے حواشی بدیع المیز ان (منطق) پرنظر ثانی اوراضافہ کیا تھا جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا۔

مولا نا عبدالقادر کے دہلی پہنچنے کا ذکر صوفی اکبر علی جالندھریؒ نے بھی کیا ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں ایک دفعہ مولوی عبدالقادر صاحبؒ جے پورہ سے دہلی آئے۔راستہ میں کسی نے روٹی نہیں دی اور نہ آپ نے کسی سے طلب کی،پھل پھلواری اورساگ پات کھا کر سفر کاٹ دیا۔

علمی خدمات

مولانا عبدالقادرؒ دہلی سے فراغت پا کر موضع ولیانوالہ میں اپنے نانا (مولانا عبداللہ ولیؒ) کے قائم کردہ مدرسہ اور خانقاہ کے مہتمم و مربی مقرر ہوئے۔ تعلیم و تدریس کے علاوہ آپ نے کچھ تصانیف بھی کی ہیں۔ راقم الحروف کو جن کا علم ہو سکا وہ یہ ہیں۔

۱۔ آئینہ قرآن۔ آئینہ قرآن کے نام سے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ تفسیر کی فہرست مع تشریح ۱۵۱ صفحات میں تحریر کی جو ۱۸۸۱ء میں لدھیانہ سے طبع و شائع ہوئی۔

۲۔ فقہی مسائل کے جوابات تحریر کیے جو بعد میں فتاویٰ علماء لدھیانہ موسوم بفتاویٰ قادریہ ترتیب مولانا محمد لدھیانویؒ طبع ہوئے۔ اس میں مولانا عبدالقادرؒ اور ان کے بیٹوں کے فتاویٰ جمع ہیں۔

۳۔ کتاب بدیع المیزان (منطق) پر شاہ عبدالعزیزؒ کے حواشی کی نظر ثانی اور تہذیب فرمائی۔ بعض مقامات پر اپنے حواشی کا اضافہ بھی کیا۔ راقم الحروف کو ان حواشی کا اصل نسخہ نہ مل سکا۔ البتہ بدیع المیزان مجتبائی دہلی مطبوعہ ۱۳۴۰ھ کے متعدد صفحات پر مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کا حوالہ موجود ہے۔

تبلیغ وارشاد

شاہ عبدالعزیزؒ کے طرز پر عوام کے لیے ہفتہ میں دو دفعہ وعظ کہنا شروع کیا۔ عقائد، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ دارالحرب اوراس کے تقاضوں کی وضاحت بھی فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے وعظ وارشاد میں معجزانہ تاثیر قوت ودیعت فرمائی تھی جو پتھر دلوں کو موم کر دیتی۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کا وعظ سنتے اور واپس جا کر اپنے اپنے علاقوں میں اس کا تذکرہ کرتے۔ اس طرح مشرقی پنجاب میں مولانا عبداللہ ولی طرح آپ کو بھی مقبولیت ومرکزیت حاصل ہوگئی۔

سابق والیان افغانستان شاہ زمان اور شاہ شجاع الملک (جو اس وقت لدھیانہ شہر میں مقیم تھے) لدھیانہ سے سات آٹھ میل سفر کر کے خانقاہ ولیانوالا پہنچتے اور آپ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

فضائل واخلاق

صوفی اکبر علی جالندھری تحریر فرماتے ہیں۔

☆ ایک دفعہ مولانا عبدالقادرؒ کے استاد نے مغرب کے وقت مجمع علماء میں آپ کو امام بنایا۔ آپ نے سورہ واقعہ دردآمیز لہجہ سے جو پڑھنی شروع کی تو آپ کے استاد

نماز میں زار زار با آواز بلند روتے رہے۔ بعد میں فرمایا کہ میں ولائتی (پٹھان) سخت دل آدمی ہوں۔ کبھی ایک آنسو چشم سے نہیں نکالا۔ لیکن آج اس شخص کے پڑھنے سے میں ایسا متاثر ہوا گویا قیامت کا حشر برپا ہے۔

☆ ایک دفعہ مولانا عبدالقادرؒ کو بریلی کے قاضی نے سو روپے ماہوار دینا کر کے اپنے لڑکے کی تعلیم پر نوکر رکھنا چاہا۔ آپ نے قاضی کو فرمایا کہ تمہارے یہاں رشوت کا روپیہ آتا ہے اگر ہم نے آپ کی نوکری اختیار کی تو حرام کی تاثیر ہمارے رگ وریشہ میں ہو جائے گی تو ہم پھر اپنی باقی عمر کس طرح گزاریں گے؟

☆ میر محبوب علی نے بوقت منصفی مقدمہ خانقاہ دو سو روپے بنام زکوٰۃ اخوند نور الدین کے ہاتھ مولانا موصوف کو بھیجے مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ لینا مجھ کو حرام ہے کیونکہ یہ رشوت ہے زکوٰۃ نہیں۔

☆ نمنگ خان افغان ساکن کوٹلہ متصل روپڑ (جن کا دعویٰ تھا کہ میں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور بڑے بڑے عالموں کے وعظ سنے ہیں لیکن میں کبھی اثر پذیر نہیں ہوا) آپ کو زمین دینے لگا آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

☆ منشی عبدالرحمان لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ کولٹن صاحب بہادر (ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے حضرت موصوف سے فرمایا کہ اگر آپ شرعی مقدمات کو سرکاری

ملازمت اختیار کر کے فیصلہ کیا کریں تو میں اس بات میں آپ کے نام پر منظوری منگوا سکتا ہوں۔

حضرت موصوف نے فرمایا کہ مسائل دین کے بیان کرنے میں مجھے تنخواہ لینے کی ضرورت نہیں۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
ذرا کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

تحریک مجاہدین کی اعانت

خاندان کے بزرگوں میں یہ بات تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ امیر المجاہدین سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ھ) کی اہلیہ محترمہ (جو ہندوستان میں مقیم تھیں) مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے نام ایک خط بھیجا جو فارسی زبان میں تحریر تھا اس میں مجاہدین کے لیے مالی اور بدنی اعانت کی ترغیب دی گئی تھی اور اپنے دستخط ام اسمٰعیل نام سے کیے تھے۔

سید صاحب چونکہ امیر المجاہدین تھے اس لیے ان کی اہلیہ محترم اپنے کوام المجاہدین اور ام اسمٰعیل کہتی تھیں۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ھ) شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اور مجاہدین کے نائب امیر تھے۔

اس خط کے جواب میں مولانا عبدالقادرؒ نے فوری طور پر مالی اعانت ارسال فرمائی تھی۔ اس علاقہ میں چونکہ سکھ قوم اکثریت میں تھی اس لیے بدنی اعانت کے متعلق مخفی طور پر مجاہدین بھیجنے کی فکر میں تھے کہ شہادت بالاکوٹ کی اطلاع موصول ہوئی۔ آپ کو اپنی کوتاہی پر انتہائی دکھ اور صدمہ ہوا۔ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے اس کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

لدھیانہ

ہندوستان کے سابق حکمران خاندان لودھی کی طرف منسوب مشرقی پنجاب کے ایک ضلع کا صدر مقام اور معروف صنعتی شہر ہے۔ مغربی پنجاب پر سکھوں کی حکومت کے ایام میں لدھیانہ انگریزوں کی سرحدی چھاؤنی اور مشرقی پنجاب کا ڈویژن (مرکز) تھا۔

یہاں سے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی بستی سرہند تقریباً بیس پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس لیے یہ علاقہ علماء و فضلاء اور اہل اللہ کا مرکز بھی رہا ہے۔

شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی ہجرت الی الحجاز (۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ھ) کے بعد پنجاب اور افغانستان کی علمی و دینی قیادت بیشتر علماء لدھیانہ ہی کے ہاتھ میں رہی۔ دیوبند، علی گڑھ اور ندوۃ کی تعلیم گاہوں کا قیام اور فروغ بعد میں ہوا ہے۔

افغانستان میں اندرونی کشمکش کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کے پوتے (شاہ زماں اور شاہ شجاع الملک) لدھیانہ میں پناہ گزین ہوئے، ان کے حریف سردار دوست محمد خاں بارک زئی بھی چند روز یہاں ٹھہرے۔

تفصیل یہ ہے کہ ۱۲۱۵ھ میں افغانستان کے بارک زئی خاندان نے (جس کے لیڈر پائندہ خان فتح خاں اور سردار دوست محمد خان تھے) احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں کو اقتدار سے ہٹا کر ملک بدر کر دیا اور سردار دوست محمد خاں کی حکومت کا اعلان کر دیا۔

ابدالی برادران یکے بعد دیگرے انگریزوں کے پناہ گزین ہو کر لدھیانہ شہر میں مقیم ہوئے۔ شاہ زماں تو نابینا ہو چکے تھے۔ لہٰذا شاہ شجاع الملک نے دوست محمد خان کے خلاف انگریزوں سے مدد طلب کی۔

۲۶ جون ۱۲۵۴ھ میں انگریزوں نے شاہ شجاع الملک اور رنجیت سنگھ کے ساتھ ایک معاہدہ (اتحاد ثلاثہ) کیا۔ جس کی رو سے شاہ شجاع الملک کو امیر کابل بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۲۵۵ھ میں انگریز اور سکھ مشترکہ فوج نے افغانستان پر اچانک حملہ کر کے شجاع الملک کو تخت نشین بنا دیا اور دوست محمد خاں کو گرفتار کر کے کلکتہ میں نظر بند کر

دیا۔

کلکتہ جاتے ہوئے وہ لدھیانہ سے گزرا تو مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ سے ملاقات اور دعا کی درخواست کی۔ مولانا عبدالقادر نے فرمایا شاہ شجاع الملک قتل کیا جاوے گا اور تم کو دوبارہ کابل کی حکومت نصیب ہوگی۔

چنانچہ ۱۲۵۷ھ میں افغانوں نے امیر دوست محمد خاں کے بیٹے اکبر خاں کی قیادت میں بغاوت کر کے شجاع الملک اور اس کی حامی انگریز فوج سولہ ہزار پانچ سو کو قتل کر دیا فقط ایک آدمی زندہ سلامت واپس ہندوستان پہنچا۔

انگریزوں نے مجبور ہو کر دوست محمد خاں کو غیر مشروط طور پر امیر افغانستان تسلیم کر لیا۔ وہ کلکتہ سے رہا ہو کر واپس کابل پہنچا اور تا وفات ۱۲۷۹ھ حکومت کرتا رہا اور مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے عقیدت مندوں میں شامل رہا۔

دوست محمد خان کے جانشین امیر عبدالرحمٰن خان، امیر حبیب اللہ خان اور امیر امان اللہ خان بالترتیب اس کے پوتے، پڑپوتے اور سگڑ پوتے ہوئے ہیں۔

مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ

سہ رکنی وفد کے قائد کی حیثیت سے افغانستان گئے تا کہ سردار دوست محمد خان (۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ھ) کی حکومت سے جہاد آزادی ہند میں مدد حاصل کریں۔ پھر

یاغستان کے مجاہدین میں شامل ہوئے۔لدھیانہ میں ان کے خلف الرشید مولانا محمد آفاق تھے۔صوفی اکبر علی ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

''مولوی محمد آفاق موضع ڈھولیوالا میں تشریف رکھ تھے۔علم حدیث طب اور ادب اور عربی و فارسی کے ماہر تھے۔لوگوں کو حدیث کا درس دیتے اور غریبوں کا مفت علاج کرتے تھے۔

مولانا محمد آفاق کے فرزند ڈاکٹر محمد اصغر قیام پاکستان کے بعد علاقہ ساہیوال میں مقیم ہوئے۔

مولانا محمد لدھیانوی (۱۲۴۵/۱۸۳۰ءتا۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ھ)

آپ کے تلامذہ میں درج ذیل حضرات مشہور و معروف ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ (ف ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ھ) سابق سرپرست مظاہر العلوم سہارن پور۔

۲۔ مولانا احمد کانپوریؒ (ف۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ھ) محشی حمداللہ شرح سلم العلوم وسابق صدر و مدرس مدرسہ فیض عام کانپور و بانی مدرسہ الہیات کانپور۔

۳۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ (ف۱۳۲۳ھ/۱۹۴۴ھ) شارح حکمت ولی اللہ۔آپ نے مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے معقولات کی چند کتب پڑھیں۔ پھر براہ راست

مولانا محمدؒ سے بھی مستفید ہوئے۔

تصانیف

حواشی علی موطا امام محمد

اس کا ایک نسخہ دار الاثار شاہ ولی اللہ کالج منصور (ڈیپر) نزد بالا ضلع حیدر آباد میں موجود ہے۔ لائبریری کا قدیم نمبر ۴۸۱۳ تھا جو کہ ۴۸۰۰۳ یا ۴۸۰۳ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۵ء کا جدید نمبر ۱۴۰ ہے تعداد صفحات ۲۷۰۔

پہلے صفحہ پر تحریر ہے علی حسب الاشارۃ من المولوی عبداللہ بن مولانا مولوی عبدالقادر مرحوم لودیانوی، فی المطبع الرحیمی عصمت اللہ مطبوع۔

بتصحیح وتحشی مولانا مولوی محمد خلف الصدق جناب غفران ماب زبدۃ العلماء خلف مولانا مولوی عبدالقادر مرحوم۔ قال أجازنا واخبرنا بعلم الحدیث شیخی الکامل عبداللہ جیراجوی اخبرنا عبدالقادر بن ولی اللہ عن والدہ۔

حواشی علی شرح معانی الاثار للطحاوی

اس کا ایک قلمی نسخہ موضع پیر جھنڈا سندھ میں موجود تھا۔

مکتوب مفتی عبدالحمید لدھیانوی از ٹوبہ ٹیک سنگھ بحوالہ مولوی محمد صدیق بھاولپوری۔ مورخہ ۴۔۷۔۵۔۷

۳۔تقدیس الرحمٰن عن الکذب والنقصان۔

یہ رسالہ علم کلام اور فلسفہ کے دقیق ابحاث پر مشتمل ہے۔اس وقت کے علماء کرام میں قدرت باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک بحث چھڑی ہوئی تھی جو امکان کذب اور امتناع کذب کے نام سے معروف ہے دونوں طرف سے اس موضوع پر متعدد رسائل قلم بند ہوئے۔

مولانا محمد لدھیانوی نے مذکورۃ الصدور رسالہ میں فریقین کے درمیان مما کمہ لکھا اور اعتدال کی راہ دکھائی۔

انتصار الاسلام

۱۸۵۷ء میں علماء اہل حدیث نے فتویٰ فرضیت جہاد پر دستخط کیے مگر عملاً ساتھ نہ دیا۔پھر مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث (ف ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) نے الاقتصاد نام سے ایک رسالہ نسخ جہاد پر لکھا۔انگریزی حکومت سے انعام پایا اور امت مسلمہ کو اختلافات میں الجھا دیا۔

اس لیے علماء لدھیانہ اہل حدیث سے ناراض رہے۔ مذکورۃ الصدور رسالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے پیدا کردہ مسائل کا رد کیا گیا ہے۔

انگریز کے خود کاشت پودا مرزا غلام احمد قادیانی (ف ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) نے

نبوت کو بروزی اور ظلی میں تقسیم کیا اور اپنے لیے ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ علماء ہند ساکت و حیران تھے۔

مولانا محمد لدھیانویؒ نے مذکورۃ الصدر رسالہ میں تمام علماء سے قبل مرزا کے ارتداد اور کفر پر فتویٰ جاری کیا اور علماء وقت کو مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور نزاکت سے آگاہ کیا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

منشی عبدالرحمٰن لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف اول ان (لدھیانوی) مولوی صاحبان نے تکفیر کا فتویٰ کیا تھا اس وقت سب عالم، عالم سکوت اور توقف میں تھے اور بعض مولوی صاحبان مخالف بھی ہو گئے تھے آخر کچھ عرصے کے بعد علماء محققین اس کی تکفیر پر متفق ہو گئے۔

آغا شورش کاشمیری (ف ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) تحریر فرماتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ ۱۳۰۷ھ میں جاری کیا گیا۔ سب سے پہلے فتویٰ لدھیانہ کے علماء نے جاری کیا۔ جن میں مولانا محمد، مولانا عبداللہ اور مولانا

عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ پیش پیش تھے۔ ان کی تائید میں مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ نے فتویٰ صادر کیا۔ پھر دہلی، آگرہ، حیدر آباد اور بنگال کے علماء نے فتاویٰ جاری کیے۔

راقم کہتا ہے کہ یہ فتویٰ مولانا محمد لدھیانویؒ نے مرتب کیا تھا اور ان کے برادران (مولانا عبداللہؒ و مولانا عبدالعزیزؒ) ان کے مشیر تھے اور نشر و اشاعت میں پیش پیش تھے۔

مولانا مفتی محمد عبداللہ لدھیانویؒ

آپ ۱۸۳۴ء میں مولانا علامہ عبدالقادر صاحبؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ درس نظامی اپنے والد عبدالقادرؒ سے پڑھا۔ تمام علمی و دینی خدمات میں اپنے بھائی مولانا محمد کے دست راست تھے۔ قادر الکلام متکلم اور مناظر تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کے فتویٰ کا خیال سب سے پہلے آپ کے دل میں پیدا ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فتویٰ قادریہ میں آپ کے بھائی مولانا محمد صاحب نے اس واقعہ کو اس طرح تحریر کیا ہے۔

بعد حمد و صلوٰۃ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ اکثر جاہل اور نابلد مرزا غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ مسیح گمان کرتے ہیں اور عوام کو بہکا کر گمراہ کرتے ہیں اور بے ایمان بناتے

ہیں۔لہٰذا اس کے کافر اور مرتد ہونے کا حال بطور اختصار تحریر میں لایا جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے شہر لدھیانہ میں ۱۳۰۱ھ میں دعویٰ کیا کہ میں مجدد ہوں عیسیٰ مسیح ہوں کچھ لوگوں نے اور کچھ اہل علم نے ان کے دعویٰ کو تسلیم کر کے امداد پر کمر باندھی۔منشی احمد جان اور مولوی عبد القادر نے ایک مجمع میں جو واسطے اہتمام مدرسہ اسلامیہ کے اوپر مکان شاہزادہ صفدر جنگ کے تھا بیان کیا کہ علی الصباح مرزا غلام احمد قادیانی اس شہر لدھیانہ میں تشریف لاویں گے اور اس کی تعریف میں مبالغہ کر کے کہا کہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا گویا وہ اول مسلمان ہوگا۔برادرم مولانا عبداللہ صاحب نے کمال بردباری اور تحمل کے فرمایا اگرچہ اہل مجلس کو میرا بیان کرنا ناگوار معلوم ہوگا لیکن جو بات اللہ جل شانہ نے اس وقت میرے دل میں ڈالی ہے بیان کیے بغیر میری طبیعت کا اضطراب دور نہیں ہوگا وہ بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی جس کی تم تعریف کر رہے ہو وہ بے دین ہے۔منشی احمد جاں بولا کہ میں اول کہتا تھا کہ اس پر کوئی عالم صوفی حسد کرے گا۔مولانا محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے جلسہ کے اختتام پر اپنے بھائی مولانا عبداللہ سے کہا کہ جب تک کوئی دلیل نہ ہو کسی پر زبان طعن کوئی مناسب نہیں ہے۔مولانا عبداللہ نے فرمایا کہ اس وقت میں نے اپنی طبیعت کو بہت روکا لیکن آخر الامر یہ کلام اللہ تعالیٰ جو اس موقع پر سرزد

کرو ایا ہے خالی از الہام نہیں۔ اس روز مولانا عبداللہ صاحب بہت پریشان خاطر رہے۔ بلکہ شام کو کھانا بھی تناول نہیں کیا۔ بوقت شب دو شخصوں سے استخارہ کروایا اور آپ بھی اس فکر میں سو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ میں ایک مکان بلند پر مع مولوی صاحب وخواجہ احسن شاہ بیٹھا ہوں تین آدمی دور سے دھوتی باندھے ہوئے چلے آتے معلوم ہوئے جب نزدیک پہنچے تو ایک شخص جو آگے آتا تھا اس نے دھوتی کو کھول کر تہمد کی طرح باندھ لیا، خواب میں غیب سے آواز آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی یہی ہے اسی وقت خواب سے بیدار ہو گئے اور دل کی پراگندگی یک لخت دور ہو گئی اور یقین کلی ہوا کہ یہ شخص پیرایہ اسلام میں لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

موافق تعبیر خواب کے دوسرے دن قادیانی مع دو ہندوؤں کے لدھیانہ آیا۔ استخارہ کنندگان میں سے ایک کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بے علم ہے اور دوسرے شخص نے خواب میں مرزا کو دیکھا کہ عورت برہنہ کو اپنی گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ مرزا دنیا کے جمع کرنے کے درپے ہے دین کی کچھ پرواہ نہیں۔ فی الواقع ان دونوں خوابوں کی صداقت میں کوئی شک نہیں۔ مرزا کو سوائے انشاء پردازی کے کچھ نہیں آتا۔ خصوصاً علم دینیہ سے بے بہرہ ہے۔ جس روز قادیانی لدھیانہ شہر میں وارد ہوا تھا راقم الحروف یعنی محمد مولوی عبداللہ و مولوی

اسماعیل صاحب نے براہین احمدیہ کو دیکھا تو اس میں کلمات کفریہ انبار در انبار پائے اور لوگوں کو قبل از دو پہر اطلاع کر دی گئی کہ یہ شخص مجدد نہیں ہے۔ بلکہ زندیق وملحد ہے بعد میں تمام علمائے ہندوستان اور علماء حرمین نے مرزا پر کفر کا فتویٰ جاری کیا۔

انگریز کے خلاف فتویٰ جہاد اور اقدام

مئی ۱۸۵۷ء میں انگریز کو ہندوستان سے نکال دو (نعرہ) کے ساتھ بنگال سے تحریک آزادی کا آغاز ہوا۔ لکھنؤ، میرٹھ اور بعض دوسرے شہروں میں بھی تحریک اٹھی۔ ہر جگہ دیسی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو قتل کر کے دہلی کا رخ کیا اور بہادر شاہ ظفر کی آزاد حکومت کا اعلان کر کے تمام ملک میں دعوت نامے جاری کیے کہ لوگ فوج در فوج مرکز کو مضبوط کرنے کی لیے دہلی حاضر ہوں۔

یکم شوال ۱۲۷۳ھ بمطابق ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء عید الفطر کے اجتماع میں مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے لوگوں کو دہلی کے لیے مسلح تیاری کا حکم دیا۔ ہوشیار پور، جالندھر اور دیگر اضلاع کو دعوت نامے ارسال کیے۔ ماہ جون میں اپنی فوج اور تمام اہل وعیال کے ساتھ دہلی کا سفر شروع کیا۔ راستہ کی مزاحمتوں کا دفاع کرتے ہوئے اور متعدد انگریز سکھ دستوں کو شکست دیتے ہوئے دہلی پہنچے۔

دہلی کے مذہبی حلقے جہاد کے معاملہ میں منتشر تھے اس لیے اپنے فرزند اکبر مولانا

سیف الرحمنؒ کی معیت میں فرضیت جہاد پر ایک فتویٰ مرتب کر کے انقلابی سپاہیوں کو پیش کیا۔ انہوں نے علماء و مشائخ کی تصدیقات حاصل کرنے کے بعد اخبارات میں شائع کیا۔

لدھیانہ سے روانگی کے بعد وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے مولانا کے خاندان کے تمام مکانات ضبط اور نیلام کیے اور شہریوں کو غیر مسلح کر کے تمام اسلحہ قلعہ بند کر دیا تا کہ کوئی دوسرا قافلہ دہلی نہ جا سکے۔ مگر اس کی یہ تدبیر ناکام رہی۔ چند روز بعد مولانا کے دعوت ناموں کی بناء پر جمع ہونے والے وفود اور سپاہیوں نے قلعہ پر حملہ کر کے تمام اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس طرح دوسرا قافلہ بھی پہلے کی طرح دہلی پہنچا۔

دہلی میں فتح پوری اور چاندنی چوک میں انگریز فوجوں سے زبردست ٹکر لی اور گھمسان کی جنگ لڑی۔ دوران جنگ مولانا کی اہلیہ فوت ہو گئیں۔ جنہیں فتح پوری مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا۔

انگریز کی مدد کے لیے جب جدید تازہ دم فوج حاضر ہوئی تو مولانا سیف الرحمانؒ کی قیادت میں تین علماء کا وفد افغانستان بھیجا گیا تا کہ اس معاملہ میں دوست محمد خاں (ف ۱۲۷۹ھ) کی حکومت سے مدد حاصل کرے۔ وفد کے دوسرے ارکان مولانا عبدالقادرؒ کے بھانجے (مولانا محمد اسمٰعیلؒ) اور حکیم محمد حسن

قریشی لاہوری (ف ۱۹۷۴ء) کے والد قاضی فضل الدین مرحوم (ف ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء) تھے۔تلمیذ مفتی صدرالدین آزردہ۔

نتیجہ کے انتظار اور تدابیر کو دوبارہ مجتمع کرنے کے لیے مولانا عبدالقادر اپنے تین فرزندوں اور چند فدائیوں کے ساتھ پٹیالہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر جنگلات کے ایک گاؤں (ستلانہ) میں روپوش ہوگئے اور ۱۸۶۰ء میں وہیں فوت ہو گئے۔

انگریزوں نے تلاش بسیار کے بعد مولانا کے تینوں فرزندوں (مولانا محمد، مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالعزیز) کو گرفتار کر کے لدھیانہ شہر میں ان پر مقدمہ قائم کیا۔پہلی پیشی پر فرنگی عدالت کے ارد گرد اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ ضلع بھر کی فوج اور پولیس ان سے مرعوب ہوگئی دوسری پیشی پر اس سے بھی زیادہ مجمع ہوا۔

تیسری پیشی کے دن علی الصبح مولانا عبداللہ نے پولیس کے لوگوں سے کہا کہ آج پیشی نہیں ہوگی اس لیے کہ فرنگی جج پاگل ہو چکا ہے چنانچہ ایسا ہی ثابت ہوا۔جج کے پاگل ہونے اور عوامی دباؤ کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ آپ حضرات کے خلاف کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہ ہوسکی۔فتویٰ فرضیت جہاد پر ان تینوں کے دستخط بھی نہیں تھے۔لہٰذا سب کو بری کر دیا گیا۔

افغانستان کو جانے والا وفد وہاں اس وقت پہنچا جب کہ انگریز ہندوستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر چکا تھا اور مناسب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا لہٰذا وفد کے دو ارکان واپس آ گئے اور مولانا سیف الرحمان افغانستان کے آزاد مجاہدین میں شامل ہو گئے۔

جہاد کے متعلق استفتاء اور جواب

جو دہلی کے اخبارات میں شائع ہوا درج ذیل ہیں۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو ''فرض عین ہے یا نہیں'' وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں؟ بیان کرو اللہ تم کو اجر دے گا۔

جواب: در صورت مرقوم فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے۔ اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے۔ بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجودہ ہونے آلات حرب کے تو فرض ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف وحوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور غارت اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ فتویٰ فرضیت جہاد کے مرتب مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) تھے ہمارے خیال میں یہ قول چند وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

۱۔ فرضیت جہاد کا فتویٰ دہلی کے اخبارات (صادق الاخبار اور ظفر الاخبار وغیرہ) میں مورخہ ۲۶ جولائی کو شائع ہوا تھا۔ ان دنوں فضل حق دہلی سے باہر الور میں مقیم

تھے۔ وہ ۱۵ اگست کے بعد دہلی پہنچے تھے۔ جبکہ یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا۔ تفصیل کے لیے ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ملاحظہ کیا جائے۔

۲۔ کسی اخبار میں بھی فتویٰ پر ان کے دستخط نہیں ہیں۔

۳۔ مولانا فضل حق عربی کے علاوہ اردو ادب میں بھی بلند مقام پر فائز تھے۔ مرزا غالب تک کی اصلاح کیا کرتے تھے مگر فتویٰ کی زبان خام ہے جو مولانا فضل حق کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی۔

۴۔ مولانا عبداللہ کپورتھلویؒ (ف ۱۳۵۶ھ)/ ۱۹۳۷ء) جو مولانا عبدالحق خیر آبادی (ف ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۹ء) کے تلمیذ خاص تھے۔ مولانا عبدالحق اور مولانا فضل حق کا انتہائی عقیدت سے ذکر کیا کرتے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ مولانا فضل حق کس جرم میں انگریز کے اسیر بنے؟ تو فرماتے کہ وہ بہادر شاہ ظفر کے راز دان اور مشیر تھے مگر جب فتویٰ جہاد کا ذکر تے تو مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

۵۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جہاد پر کوئی ایسا فتویٰ مولانا فضل حق نے مرتب کیا ہو جو اخبارات میں شائع نہ ہو سکا۔ واالعلم عنداللہ۔

بغرض سہولت راقم نے نمبر شمار لگا دیا ہے۔ (اٹھارہ سو ستاون مرتبہ عتیق صدیقی) عمل

کے لحاظ سے ان مفتیاں کرام کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول: وہ علماء کرام جنھوں نے اس فتویٰ کو مرتب کیا یہ ہیں۔

مولانا عبدالقادر اور مولانا سیف الرحمان لدھیانوی۔ ان حضرات نے سالہا سال شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ دارالحرب کی تشریح اور تقاضے لوگوں کو سمجھائے تھے اس موضوع پر ہفتہ میں دو مرتبہ وعظ کرتے تھے۔ خدا کی راہ میں قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ معرکہ بالاکوٹ سے محرومی کا احساس بھی رکھتے تھے اس کا کفارہ ادا کرنے کی فکر اور موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

لہٰذا جنگ آزادی کا اعلان سنتے ہی اپنی فوج کے علاوہ بال بچوں سمیت اس میدان میں کود پڑے۔ دہلی کا رخ کیا۔ راستہ میں اور دہلی میں سکھوں اور انگریزوں کے حامیوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور انتہائی بے جگری سے لڑے۔ ان کے سینکڑوں ساتھی اپنی مطلوبہ شہادت پا گئے۔ پھر باقی ماندہ افراد نے نہ تو ملک سے ہجرت کی اور نہ ہی انگریز کی حکومت تسلیم کی۔ بعض افراد نے افغانستان کے آزاد قبائل میں شامل ہو کر انگریز کے خلاف ایک طویل عرصہ تک جہاد جاری رکھا۔

دوئم: وہ علماء کرام جنھوں نے اس فتویٰ کو درست اور صحیح سمجھتے ہوئے دستخط کیے جہاد کیا اور اس کے نتائج بھی بھگتے یہ حضرات چھ ہیں۔

۱۔مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

۲۔مفتی محمد صدرالدین خاں آزردہؒ

۳۔شاہ احمد سعید مجددیؒ (۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)

۴۔شاہ عبدالغنی مجددیؒ (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۹ء) خلیفہ شاہ محمد اسحاقؒ

۵۔مولوی فریدالدین شہیدؒ (۱۲۷۴/ ۱۸۵۷ء)

۶۔مولوی محمد سرفراز علی مجاہدؒ

ان چھ حضرات میں سے مولانا رحمتہ اللہ کیرانویؒ، شاہ احمد سعید مجددیؒ اور ان کے برادر خورد شاہ عبدالغنی مجددیؒ بمع اہل وعیال حجاز کو ہجرت کر گئے۔ان کے تلامذہ میں سے حاجی امداد اللہ تھانویؒ (۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء) مولانا قاسم نانوتویؒ (ف ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (ف ۱۳۲۳ء/ ۱۹۰۵ء) نے بھی اپنے قرب وجوار میں جہاد کیا مگر کوئی فوج لے کر دہلی نہ پہنچ سکے۔پھر حاجی امداد اللہ نے ہجرت کر دی اور مفتی صدرالدین خاں نے انگریزی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

سوئم: وہ علماء جنہوں نے اس فتویٰ جہاد پر دستخط کیے پھر گوشہ نشین ہو گئے یا انگریز کی حمایت کی یہ علماء تین ہیں (اہل حدیث)

۱۔شمس العلماء میاں سید محمد نذیر حسین (۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۸ء)

۲۔شمس العلماء مولوی محمد ضیاء الدین (ف ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۸ء)

۳۔مولوی حفیظ اللہ خاں (ف ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء)

فہرست مذکورہ کے باقی ۲۲ علماء مستور الحال ہیں۔شیعہ ابتدا ہی سے الگ ہو گئے تھے کہ غیبت امام میں جہاد حرام ہے۔

وہ مفتی صاحبان جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط کیے تھے۔

دستخط مفتیان کرام

۱۔مفتی المجیب مصیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ

۲۔مفتی العبد محمد عبد الکریم

۳۔مفتی فقیر سکندر علی

۴۔مفتی سید محمد نذیر حسین

۵۔مفتی رحمت اللہ

۶۔مفتی محمد صدر الدین

۷۔مفتی اکرام الدین عرف سید رحمت علی

۸۔مفتی محمد ضیاء الدین

۹۔مفتی عبد القادر

۱۰۔ مفتی فقیر احمد سعید

۱۱۔ مفتی العبد محمد میر خاں

۱۲۔ مفتی محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی

۱۳۔ مفتی محمد کریم اللہ

۱۴۔ مفتی العبد مولوی عبدالغنی

۱۵۔ مفتی خادم العلماء محمد علی

۱۶۔ مفتی فریدالدین

۱۷۔ مفتی محمد سرفراز علی

۱۸۔ مفتی سید محبوب علی جعفری

۱۹۔ مفتی حامی الدین محمد الواحد

۲۰۔ مفتی العبد سید احمد علی

۲۱۔ مفتی الٰہی بخش

۲۲۔ مفتی محمد انصار علی

۲۳۔ مفتی مولوی سعدالدین

۲۴۔ مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خان

۲۵۔ مفتی حیدر علی

۲۶۔ مفتی حفیظ اللہ خاں

۲۷۔ مفتی محمد نور الحق چشتی

۲۸۔ مفتی العبد سیف الرحمٰن

۲۹۔ مفتی سید عبد الحمید عفی اللہ عنہ

۳۰۔ مفتی محمد ہاشم

۳۱۔ مفتی سید محمد

۳۲۔ مفتی محمد امداد علی

۳۳۔ مفتی قاضی القضاۃ محمد علی حسین

دو نام نا قابل فہم تھے لہٰذا حذف کر دیے گئے۔

مولانا عبد القادر لدھیانویؒ اور ان کے ہم عصر علماء

مولانا عبد القادر لدھیانویؒ کے فضائل و اخلاق کے تحت تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے گزر چکا کہ ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے مولانا کو بار بار کہا کہ اگر آپ شرعی مقدمات سرکاری ملازمت اختیار کر کے فیصلہ کیا کریں تو میں آپ کے نام منظوری منگوا سکتا ہوں۔ مولانا نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ مسائل دین کے بیان کرنے

میں مجھے تنخواہ لینے کی ضرورت نہیں۔

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

اب ان کے ہم عصر علماء کو بھی دیکھیے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری تحریر فرماتے ہیں۔حکومت برطانیہ کی دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم وفضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کرلیا۔

دہلی میں

۱۔دبیر الدولہ نواب فرید الدین (ف ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء)

۲۔منشی زین العابدین (ف ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء)

۳۔مفتی صدر الدین آزردہ (ف ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء)

مولوی فضل امام خیر آبادی (ف ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء)

۵۔مولوی محمد صالح خیر آبادی برادر فضل امام خیر آبادی)

۶۔منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر فضل امام خیر آبادی)

۷۔مولوی فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء)

بدایوں میں

۸۔ مولوی فضل رسول (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

۹۔ مولوی علی بخش صدر الصدور (ف ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)

۱۰۔ مفتی ابوالحسن عثمانی

بریلی میں

۱۱۔ حافظ کاظم علی خاں (پردادا مولوی احمد رضا خان بریلوی)

مرادآباد میں

۱۲۔ مولوی عبدالقادر چیف رام پوری (ف ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء)

الہ آباد میں

۱۳۔ مفتی اسداللہ (ف ۱۳۰۰ھ/۳۔۱۸۸۲ء)

۱۴۔ قاضی عطا رسول چڑیا کوٹی

۱۵۔ منشی غلام غوث بے خبر (ف ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

کلکتہ میں

۱۶۔ قاضی نجم الدین خاں کاکوردی (ف ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء) اور ان کے فرزندگان)

۱۷۔ قاضی سعید الدین (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء)

۱۸۔مولوی حکیم الدین (ف ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۴ء)

۱۹۔قاضی علیم الدین (ف ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء)

مدراس میں

۲۰۔قاضی ارتضا علی گوپاموی (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

ناسک (بمبئ) میں

۲۱۔خاں بہادر مولوی عبدالفتاح مفتی وغیرہ

یہ سب ہندو پاکستان کے وہ اعاظم وافاضل ہیں جنہوں نے منصب افتاء، قضاء اور صدرالصدوری کے ذریعہ سرکار کمپنی کے انتظام واقتدار کو بحال اور مضبوط تر کیا۔ ملاحظہ ہو حواشی محمد ایوب قادری بر تواریخ عجیب صفحہ۲۳ تا ۲۵ ایضا مقدمہ محمد ایوب قادری بر کتاب آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ صفحہ ۱۰۔

اس خودی اور بے خودی دونوں کو دیکھیے اور فیصلہ کیجیے

یہ پیغام دے گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ پادشاہی
تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

تحریک آزادی کی ناکامی اور فتنوں کا آغاز

پاک و ہند میں تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور انگریز کے کامیاب ہونے پر مسلمانوں میں جن فتنوں کا آغاز ہوا ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہجرت: بہت سی دینی اور مرکزی شخصیتیں یہاں سے ہجرت کر گئیں۔ ملک میں عظیم خلا پیدا ہوا۔ گمراہی کو بسہولت پھلنے اور پھولنے کا وسیع موقع ملا۔ ان حضرات کو رخصت پر نہیں بلکہ عزیمت پر عمل کرنا چاہیے تھا۔

۲۔ ارتداد: ملک میں عیسائی مبلغین، مناظرین اور مشنری ادارے بکثرت پھیلا دیے گئے۔ مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا۔

۳۔ احساس کمتری: نوجوان نسل کے سامنے یورپین تہذیب کو خوبصورت اور اسلام کو بدصورت پیش کیا تاکہ عیسائی نہ بنیں تو مسلمان بھی نہ رہ سکیں۔ اس کے مقابلہ میں سرسید احمد خان نے معذرت خواہی کا رویہ اختیار کیا۔

۴۔ مجاہدین پر جرح اور انگریز کی تائید: اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھوائی گئیں اور اہل علم کو استعمال کیا گیا۔

۵۔ انگریز کی ملازمت و عہدے: القاب و خطابات قبول کیے گئے اور ان کو باعث فخر سمجھا گیا۔

۶۔ عقیدہ توحید کو مبہم اور مشکوک بنایا گیا: بعض اہل علم کے ذریعہ خدائی صفات دو قسم کر دی گئیں۔ ایک قسم ذاتی اور دوسرا عطائی۔ عوام کو سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فقط پہلے قسم میں واحد لاشریک ہے۔ دوسرے قسم میں ہزاروں ہستیاں اس کی کامل شریک ہیں۔ اس طرح امت مسلمہ کو ایک خدا سے ہٹا کر ہزاروں خداؤں کا بندہ بنایا گیا۔

۷۔ عقیدہ ختم نبوت کو مبہم و مشکوک بنایا گیا: نبوت دو قسم کر دی گئی۔ ایک قسم بروزی (مستقل) اور دوسرا قسم ظلی (غیر مستقل) عوام کو سمجھایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط پہلے قسم کے خاتم ہیں، دوسرے قسم کے ہزاروں انبیاء پیدا ہو سکتے ہیں۔

۸۔ عقیدہ فرضیت جہاد کو مبہم اور مشکوک بنایا گیا: عوام کو سمجھایا گیا کہ فرض تو صرف تبلیغی جہاد ہے اور جہاد بالسیف (جنگ) ہمیشہ کے لیے منسوخ ہے۔

۹۔ بدعت کو جواز عطا کیا گیا: بدعت دو قسم کر دی گئی۔ (حسنہ اور سیہ) اور کہا گیا کہ جو بدعت عوام کو پسند ہو وہ بدعت حسنہ اور جائز ہے اور جسے عوام ناپسند کریں وہ بدعت سیہ اور ناجائز ہے۔

۱۰۔ دینی مراکز کو عقائد کی موشگافیوں اور فروعی مسائل میں الجھا دیا گیا۔

مولانا عبدالقادرؒ کے بیٹوں کا مؤقف

مولانا عبدالقادرؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل، زہد و تقویٰ میں انہی کی مثل چار فرزند عطا فرمائے تھے (مولانا سیف الرحمٰنؒ، مولانا محمدؒ، مولانا عبداللہؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ) ان سب نے اپنے والد ہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے نتائج بھگتے۔ مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو ہندوستان کی آزادی منظور نہ تھی۔ مولانا سیف الرحمان افغانستان کے آزاد مجاہدین میں شامل ہو گئے اور بقیہ تینوں برادران مسلمانوں کی رہنمائی اور تحفظ کی خاطر یہاں دارالکفر ہی میں مقیم ہو گئے۔

سردار دوست محمد خاں امیر افغانستان اگرچہ تحریک آزادی میں مدد نہ دے سکا مگر وہ ان سب برادران کو اپنے ملک میں مخدوم کی حیثیت سے رہنے بسنے کی دعوت دیتا رہا اور پیغام بھیجتا رہا تاہم ان حضرات نے ملک ہندوستان سے ہجرت نہ کی۔

ان کا ایک عذر تو وہی تھا جو مولانا عبدالقادر نے دوست محمد کو پیش کیا تھا اور اس سے بڑا عذر یہ تھا کہ جس علاقہ کی انہوں نے سالہا سال آبیاری کی تھی اس کے عوام کی اُمیدیں ان سے وابستہ ہو چکی تھیں۔ اب وہ ان کی رہنمائی اور خدمات کے پہلے سے زیادہ محتاج تھے۔ ان حالات میں انہیں بھٹکنے کے لیے چھوڑ جانا اور نئے

نئے فتنوں کے حوالہ کر جانا ہرگز مناسب نہ تھا۔لہٰذا اسی ملک میں رہنے بسنے کا فیصلہ کیا، توکل، اخلاق اور تقویٰ کو اپنے تحفظ کا ذریعہ بنایا۔

یہ حضرات اس ملک کے امن پسند اور صلح جو شہری ضرور تھے مگر حکومت برطانیہ کی صحت اور جواز کے ہرگز قائل نہ تھے۔تاحیات برطانوی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کا کوئی عہدہ یا ملازمت قبول نہیں کی۔ اس کی عدالتوں میں بحیثیت مدعی و مستغیث کبھی نہیں گئے۔کسی ضرورت کے لیے کوئی درخواست نہیں دی۔

ہمیشہ انگریز کو غلط کار، ظالم، غاصب اور اس کی ملازمت کو کفر کی اعانت، اس کی عدالتوں میں بحیثیت مدعی و مستغیث حاضر ہونے کو تحاکم الی الطاغوت اور اس کے دیے ہوئے خطابات والقابات قبول کرنے کو رذالت وخساست کہتے رہے۔

زندگی بھر نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کیا۔عیسائیوں کے اعتراضات اور سرسید کے اعتذارات کو رد کیا۔شرک اور بدعت کے فلسفہ پر ضرب لگائی۔ جہاد اور مجاہدین کا دفاع کیا۔مرزا قادیانی پر کفر کا فتوی جاری کیا۔

امت مسلمہ کو فروعی مسائل میں الجھا کر انگریز کی مدد کرنے والوں کا منہ بند کیا۔ اتحاد واتفاق کی تربیت دی۔

ہمیشہ جفاکشی، ہمت، صبر اور خودداری کی زندگی بسر کی۔ آئندہ نسل کو بھی یہی وصیت

کرتے ہوئے فریضہ حیات ادا کر گئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آمین یارب العالمین

شاہ زمان کی آمد

انہی دنوں قدرت کی نیرنگیوں نے احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان اور شاہ شجاع تخت افغانستان سے دستبردار ہو کر کابل چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور برطانوی دامن میں پناہ لے کر لدھیانہ میں قیام پذیر ہوئے۔ افغان بادشاہوں نے یہاں گردونواح میں علامہ کے علم وفضل اور فکروعمل کا چرچا سنا تو ان کے قلوب میں ایک غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی۔ شاہ زمان اسی عقیدت مندی اور گرویدگی کے جذبہ سے موضع بلیہ وال پہنچے اور حضرت علامہ سے لدھیانہ شہر تشریف لانے کی درخواست کی۔ علامہ مرحوم شاہ زمان کے ساتھ لدھیانہ تشریف لے آئے، علامہ مرحوم کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ انہوں نے یہاں قدیم وضع کے مطابق رہائش اختیار کی اور اپنی علمی اور تعمیری سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے ارادت میں شامل ہو کر اثر پذیر ہوئے اور آپ کے ارشادات کے مطابق اسلامی

زندگی گزارنے لگے اور شاہ زمان نے بھی چالیس دن تک آپ کی مسجد میں قیام فرمایا اور جب علامہ خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھتے تو شاہ زمان خود اذان کہتے جواب بھی مسجد دو منزلی کے نام سے لدھیانہ شہر میں مشہور ہے۔

انگریز سے عدم تعاون

۱۸۵۷ء سے قبل برطانوی پالیسی یہ تھی کہ ہندوستان کو اپنی فراخ حوصلگی، ہمدردی اور بے لوث خدمت کا پورا یقین دلایا جائے تاکہ ان کے ذہن اطاعت اور فرمانبرداری کے غلامانہ جذبہ سے بھرپور ہو جائیں اور کسی گوشہ میں نفرت و عداوت کا احساس پیدا نہ ہو بلکہ یہ خیال جاگزیں رہے کہ انگریز ہندوستان کی برتری بہی خواہی اور حفاظت کا دل و جاں سے خواہاں ہے جس سے سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ لدھیانہ میں اسی احساس کے پیکر کوٹن نامی ڈپٹی کمشنر تھے جو اپنی وسعت قلبی اور مذہبی رواداری کا بہت مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ وہ علامہ مرحوم کے ہمہ گیر اثرات اور عام جذبہ عقیدت سے بہت گھبرایا اور اس نے سیم و زر کے ساحرانہ جال میں پھنسانے کی کوشش کی اور اس نے علامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ آپ شرعی مقدمات کا فیصلہ اسلامی طریقہ سے فرمایا کریں اور آپ کا عہدہ ایک جج کے برابر ہوگا اور حکومت برطانیہ آپ کو آپ کی خدمات کے عوض پانچ صد روپیہ

ماہوار پیش کرے گی۔ ذرا غور کیجیے برطانوی عیاری پر کہ جس ملک نے مسلمانوں کی سلطنت مٹا کر غاصبانہ قبضہ کیا وہاں مسلمانوں کے ساتھ مذہبی ہمدردی کا یہ فیاضانہ جذبہ کہ لوگوں کو شرعی احکام کا پابند بنانے کے لیے بیش بہا روپیہ صرف کرنے کا مخلصانہ عزم۔

علامہ کی حقیقت بین نگاہیں اس راز سے آشنا تھیں اور ان کے دلوں کی آواز کو پہنچانتی تھیں انہوں نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ فرما دیا کہ میں دین کے مسائل بیان کرتا ہوں اس کے عوض کسی مشاہرہ کی ضرورت نہیں۔

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امیر دوست محمد کی آمد

شاہ زمان اور شاہ شجاع کے چلے جانے کے بعد تخت افغانستان پر امیر دوست محمد خان قابض ہو گئے اور اس خوف کی وجہ سے انگریز ہمیشہ افغانستان کی طرف متوجہ رہتا تھا۔ امیر دوست محمد خان نے انگریزوں کو صدق دلانہ تعاون پیش کیا لیکن اس کی روش منافقانہ تھی۔ امیر صاحب نے انگریزوں کی بجائے روس کے ساتھ

تعلقات استوار کرنے شروع کر دے۔ انگریز اس بات سے خائف ہو گئے اور انہوں نے کچھ قبائل کو ساتھ لے کر اور شاہ شجاع کی مدد سے افغانستان پر حملہ کر دیا، انگریز فوجیں اس حملہ میں کامیاب رہیں اور انہوں نے شجاع کو ۱۸۴۰ء میں دوبارہ تخت افغانستان پر فائز کرا دیا۔ امیر دوست محمد انگریز کی حراست میں آ گئے۔ جنہیں انگریز شاہی قیدی کی حیثیت سے ہندوستان لے آئے اور کلکتہ نظر بند کر دیا۔ کلکتہ جاتے ہوئے امیر صاحب لدھیانہ سے گزرے امیر صاحب کو لدھیانہ پہنچ کر علامہ مرحوم کی اطلاع ملی انہوں نے آپ سے ملاقات فرمائی۔ ممکن ہے قلب میں یہ بھی داعیہ ہو کہ شاہ شجاع کی دوبارہ تخت نشینی کے سلسلہ میں حضرت علامہ سے کچھ حقائق معلوم کر سکیں یا ان کے پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی میں مدد مطلوب ہو۔ حضرت علامہ جو انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی آگ سینہ میں چھپائے رکھتے تھے اس واقعہ سے بے حد متاثر و پریشان تھے وہ افغانستان میں برطانوی ریشہ دوانیوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے امیر صاحب سے صبر آزما داستان سنی اور طویل گفتگو فرمائی اور ملاقات کے دوران یہ پیش گوئی فرمائی کہ شاہ شجاع قتل ہو جائے گا اور امیر صاحب دوبارہ افغانستان کی فرمانروائی کا اعزاز حاصل کریں گے۔ یہ نوید زندگی بخش تھی جس سے ایک مرتبہ امیر صاحب کے

چہرے پر تازگی آ گئی لیکن پھر موجودہ حالات نے معنی خیز سکوت پیدا کر دیا۔

افغانستان جانے سے انکار

امیر صاحب ہندوستان میں نظر بندی کے تلخ ایام گزرانے لگے۔ قلب میں امید جان فزاء چٹکیاں لے رہی تھی آخر قدرت کی کارفرمائیوں سے غیر متوقع طور پر خبر ملی کہ اکبر خان نے افغانستان میں فوج جمع کر لی ہے اور بہادر افغانوں نے انگریزی فوج پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ انگریزی فوجوں نے خوف و ہراس کے ساتھ ہتھیار ڈال دیے۔ سولہ ہزار فوج ڈھیر ہو گئی اور شاہ شجاع انگریز کا آلہ کار سمجھ کر قتل کر دیا گیا۔ انگریزی فوج سے صرف ایک شخص براڈرن نامی بچ کر ہندوستان پہنچا۔ یہ ۱۸۴۱ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت لارڈ آک لینڈن ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ اس حادثہ سے انگلستان کے حلقوں میں کہرام مچ گیا اور صف ماتم بچھ گئی۔

گورنر جنرل کو نااہل قرار دے کر ان کی جگہ لارڈ ایلسن براس اس عہدہ پر مامور ہوئے۔ ادھر عنان حکومت امیر دوست محمد کے صاحبزادے اکبر خان کے ہاتھ گئی۔ لارڈ ایلسن براس نے بعض شرائط پر اکبر خان سے صلح کر لی اور اسی سلسلہ میں امیر دوست محمد خان کی واپسی کا فیصلہ بھی ہوا۔ امیر صاحب کابل جاتے ہوئے

لدھیانہ تشریف لائے اور علامہ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں میں تخت و تاج کی خوشنما جھلک تھی لیکن گردن عقیدت اور احترام کے ساتھ خم تھی۔

امیر صاحب نے پوری عقیدت کے ساتھ کابل تشریف لے جانے کی درخواست کی لیکن علامہ مرحوم نے معذرت فرمائی۔ سبب انکار معلوم نہ ہوتی تھی لیکن بعد میں ۱۸۵۷ء کے خونریز ہنگامے اور مجاہدانہ کارناموں نے تصدیق کر دی کہ افغانستان تشریف لے جانے میں ملک کو پیش آنے والی جدوجہد مانع تھی۔ افغانستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی خوشی تھی لیکن ہندوستان میں اس کے استحصال کے لیے جانفروش جدوجہد اور سعی و عمل کی ضرورت تھی ادھر یہ بھی پیش نظر تھا کہ خداوند کریم کے سچے پرستار عافیت کوشی اور آرام طلبی کی بجائے ظلم و استبداد کے خلاف جنگ کرنا ہی مقدس فریضہ سمجھتے تھے۔

امیر صاحب کے خطوط

امیر صاحب کابل پہنچ گئے اور وہاں سے علامہ مرحوم کی خدمت میں پیغامات بھیجتے رہے شائد افغانی تعلق سے آزادی ہند کا مسئلہ حل کرنے کا پہلا خیال آپ ہی کے قلب میں پیدا ہوا جس نے بعد میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے دور میں ریشمی رومال خطوط کی تحریک میں عملی شکل

اختیار کر لی اور علامہ کے پوتے حضرت مولانا مفتی محمد نعیم رحمہ اللہ علیہ اس تحریک میں شامل ہوئے اور گرفتار ہو کر تین سال کی قید کاٹی۔ امیر صاحب کے خطوط کافی عرصہ تک خاندان میں محفوظ رہے۔لیکن تقسیم ہند کے بعد جنگ آزادی کا تمام اثاثہ پیش آمدہ حادثات کی نظر ہو گیا۔

علامہ مرحوم گہری نظر سے مستقبل قریب کے خونیں انقلاب کا مطالعہ کر رہے تھے اور عسکری نبرد آزمائیوں کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھے آپ کے ہاں مستقبل اکھاڑہ قائم تھا جہاں اس دور کی حربی اور عسکری مشقوں تلوار پٹہ اور لکڑی کی فوجی مشقیں جاری تھیں اور جانبازوں کی بڑی جماعت ان فوجی مشقوں اور عسکری تربیت میں شامل تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے ہولناک انقلاب میں ہر طرح سے مسلح ہو کر کوہ شکن عزائم کے ساتھ ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ اس وقت کی جنگی داستانیں آج تک انقلاب پسند نوجوانوں کا خون گرما رہی ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا بگل بجا اور ملک کو آزاد کرانے کے لیے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی مخلصانہ کوشش میں آگ اور خون کا کھیل تیار ہو گیا۔ ہندوستان کے تمام علماء اس میں شامل ہوئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی لدھیانہ سے مولانا

عبدالقادر مرحومؒ اور اسی طرح میرٹھ، دہلی، الہ آباد، کانپور اور لکھنؤ کے علماء نے بھی انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ دہلی میں جو متفقہ فتویٰ انگریز کے خلاف مرتب کیا گیا وہ علامہ مرحوم نے مفتی آزردہ کے ساتھ مل کر مرتب کیا اور پورے ہندوستان میں آگ لگ گئی۔ دہلی، لکھنؤ، میرٹھ، جھانسی اور لدھیانہ سے حریت کے شعلے بلند ہوئے اور ملک کے طول و عرض میں استبداد پر چھا گئے۔ علامہ مرحوم اس سلسلہ کی ایک اہم ترین کڑی تھے۔ آپ نے ساری جماعت کو اکٹھا کیا اور چھاؤنی کی فوج بھی انگریز سے بغاوت کر کے آپ کے زیر کمان آ گئی اور انگریزی

عدالت، تھانہ اور جیل پر قابض ہو گئے۔ انگریز افسر بھاگ گئے کچھ مارے گئے۔ جس کی تصدیق سرکاری رپوٹوں سے ہوتی ہے کہ یہاں انقلابات زمانہ کی آوازیں بلند ہوئی تھیں اور شہر میں علماء کا مکمل قبضہ تھا۔ مسٹر ساورکر سابق صدر آل انڈیا ہندو مہا بھا اپنی کتاب واقعات ۱۸۵۷ء میں اس طرح کا تذکرہ کرتا ہے کہ گویا شہر پر علماء کا مکمل قبضہ تھا لیکن مرکزی طاقت مضبوط کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ علامہ مرحوم نے دہلی کا قصد فرمایا۔ فوجی جانبازوں کے علاوہ خاندان کے افراد چاروں

صاحبزادے مولانا سیف الرحمٰنؒ، مولانا محمدؒ، مولانا مفتی محمد عبداللہؒ (راقم الحروف کے دادا تھے) اور مولانا عبدالعزیزؒ ساتھ تھے۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے

ملے اور پوری قوت حریت اور معرکہ آرائیوں میں شریک ہوئے تاکہ ملک انگریز کے تسلط اور اقتدار سے نجات حاصل کر سکے لیکن قدرت کو ابھی منظور نہیں تھا۔ غداروں نے انگریز کا ساتھ دیا اور جنگ آزادی جو پورے ہندوستان میں شروع ہو چکی تھی ناکام ہوگئی اور ابھی غلامی ہندوستان کا مقدر تھی جس پر پوری کوشش کے باوجود کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور برطانوی شہنشاہیت نے دلی پر قبضہ کرلیا اور دہلی شہر کے چاندنی چوک میں پھانسی کا پھندا قائم کر دیا گیا اسی طرح لدھیانہ شہر کے چوڑا بازار میں میں پھانسی کا پھندا قائم کر دیا گیا اور ہندوستان کے مختلف شہروں میرٹھ، لکھنؤ، الٰہ آباد اور جھانسی کے اندر حریت پسندوں کو سر عام پھانسیاں دے دی گئیں اور انگریز کے ایجنٹ اور گماشتے شریک جہاد ہونے والوں کی مخبری کرتے رہے۔ یہ وقت حریت پسندوں کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ دوست و رفیق، عقیدت مند ظلم و استبداد کی ہلاکت خیزیوں سے خائف تھے اور دہلی کی زمین وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ تھی۔ حریت پسند اور حق پسندوں کی اس جماعت کو وہاں سے رخصت ہونا پڑا اور علامہ مرحوم اپنی جماعت اور دونوں صاحبزادوں مولانا محمد اور مفتی عبداللہ صاحبان کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں دہلی سے روانہ ہوئے۔ رفیقہ حیات جنگ کے دوران دہلی میں انتقال کر گئیں ان کی قبر فتح پوری جامع مسجد

کے احاطہ میں ہے۔ راقم الحروف ۱۹۴۵ء میں اپنی تعلیم کے دوران دیوبند سے دہلی آیا اور پردادی کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ چھوٹے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز دہلی میں گرفتار ہوئے اور مولانا سیف الرحمٰن کو تین علماء کے وفد کے ساتھ افغانستان بھیجا گیا تا کہ اس معاملہ میں امیر دوست محمد خان کی حکومت سے مدد حاصل کی جائے۔

وفد کے باقی دو ارکان علامہ عبدالقادر کے بھانجے مولانا محمد اسماعیل اور قاضی فضل الدین (حکم محمد حسن قرشی لاہوری کے والد) تھے۔ نتیجہ کے انتظار میں مولانا عبدالقادر اپنے دونوں بیٹوں اور چند فدائیوں کے ساتھ پٹیالہ کے قریب ستلانہ گاؤں میں روپوش ہو گئے اور مولانا سیف الرحمان اپنی جماعت کو لے کر ضلع حصار کے ایک گاؤں پر ڈھالیکے پہنچے۔ گاؤں کے لوگ پرانے عقیدت مند تھے انہوں نے عزت و تکریم کی لیکن ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حکومت کو آپ کی اطلاع مل گئی اور اس وقت ان حریت پسند جافروشوں کو پناہ دینے پر جو مظالم ڈھائے جاتے ان کی تباہی و بربادی پر ہر شخص لرزہ براندام تھا۔ گاؤں والوں میں سخت تشویش پیدا ہوئی۔ مولانا کو خود ہی اس کا شدید احساس تھا وہ اپنی وجہ سے کسی کو عتاب میں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی روز وہاں سے روانہ ہو گئے اور پنجاب سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچ گئے۔ وہاں پر امیر دوست محمد خان امیر سلطنت تھے جب امیر دوست

محمد خان کو مولانا سیف الرحمان کے کابل پہنچنے کی اطلاع ملی تو خود حاضر خدمت ہوئے اس وقت انگریز ہندوستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر چکا تھا اور مناسب وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ لہٰذا وفد کے دو ارکان واپس آ گئے اور مولانا سیف الرحمانؒ افغانستان کے آزاد مجاہدین میں شامل ہو گئے اور امیر دوست محمد خان نے مولانا کو کابل کے نواح میں ایک جاگیر عطا کی۔ مولانا نے وہاں شادی کی اور وہاں ان کے اولاد پیدا ہوئی۔ لیکن امتداد زمانہ سے خاندان سے رابطہ نہ رہا۔ اب معلوم ہوا کہ مولانا کے پوتے اور نواسے اور ان کی سب اولاد افغانستان کی جنگ آزادی میں مجاہدین کے شانہ بشانہ شریک جہاد ہیں۔ علامہ مرحوم اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا محمدؒ اور مفتی محمد عبداللہؒ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ منزل سے ناآشنا دور دراز دیہاتی راستوں پر چل نکلا۔

موضع ستلانہ میں قیام

جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد پرستاروں کا یہ قافلہ بے کسی کے عالم میں چلا جا رہا تھا سچائی کی عظمت چہروں سے ظاہر تھی راستہ میں کئی گاؤں آئے اور گزر گئے لیکن کہیں نشان منزل نظر نہ آیا۔ بلند ہمتی طویل راستوں کو سمیٹتی جاتی تھی ایک روز

شام کے وقت کسی گاؤں کے قریب گزرا ہوا وہاں کچھ لوگ جمع تھے۔ معصوم چہروں نے دلوں میں کشش پیدا کی گاؤں والے آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور گاؤں چلنے کی درخواست کی۔ علامہ مرحوم نے معذرت فرمائی لیکن جب گاؤں والوں کا اصرار بڑھا تو آپ نے سارا واقعہ بیان فرمایا اور تمام خطرات سے آگاہ کر دیا کہ کہیں گاؤں پر مصیبت نہ آجائے۔ ایثار اور قربانی کے پُرخلوص جذبات والوں کو گرما دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم راجپوت ہیں وعدہ ایفائی کی تاریخ میں ہم سنہری روایات کے مالک ہیں ہم آپ کی ہر طرح مدد کریں گے علامہ مرحوم وہاں قامت پذیر ہو گئے۔ یہ گاؤں ریاست پٹیالہ میں ستلانہ کے نام سے مشہور ہے اور پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ دونوں صاحبزادے مولانا محمد اور مفتی محمد عبداللہ ساتھ تھے۔ سراغ رسالوں نے بھی کھوج لگا لیا۔ گاؤں کا بچہ بچہ آپ پر فدا تھا آپ کی محبت سے ان میں زندگی کی لہر پیدا ہو گئی۔ انہوں پوری دلیری اور جوانمردی کا ثبوت دیا اور آپ کو ایسے مقام پر محفوظ کر دیا کہ حکومت پوری کوشش کے باوجود پتہ چلانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

انتقال

علامہ مرحوم تین سال تک اسی گاؤں میں رہے۔ عمر کی آخری منزل میں مسلسل

مصیبتوں اور پریشانیوں نے کافی ضعف پیدا کر دیا۔ خاندان کی بربادی اور ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا بھی طبیعت پر بڑا اثر تھا۔ بالآخر اسی غربت کی حالت میں ہندوستان آزادی کے وہ بہادر جرنیل دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ۱۸۶۰ء میں اسی گاؤں میں دفن ہوئے اور آج بھی گاؤں والے عقیدت کے ساتھ ان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ آج ہندوستان اور پاکستان کو جو آزادی ملی ہے وہ سب آپ اور آپ کے ساتھیوں کے بے مثال ایثار اور قربانی کا نتیجہ ہے کہ حریت پسندوں نے انگریزی استبداد کا خاتمہ کیا۔

خاندان اور جائیداد کی بربادی

انگریز نے علامہ مرحوم کی تمام جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی بلکہ عبرت کے لیے آپ کے رہائشی مکانات، دیوان خانہ اور مسجد سب گرا کر اس پر ہل چلوا دیا۔

لدھیانہ شہر سے متصل موضع ڈگری میں علامہ مرحوم کا ایک باغ تھا جو سو بیگھہ زمین پر محیط تھا اس کو بھی بحق سرکار ضبط کر لیا اور تمام جائیداد سے بے دخل کر دیا لیکن آزادی کے پروانوں نے جب اپنی زندگی ہی اس کے لیے وقف کر دی تھی ان چیزوں کی کیا حقیقت تھی۔

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان

۱۸۶۱ء میں ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کیا کہ تمام لوگ جنہوں نے ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا وہ روپوش ہیں اپنے گھروں میں واپس آ جائیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مولانا محمدؒ اور مفتی محمد عبداللہؒ صاحبان لدھیانہ شہر تشریف لائے تمام شہر آپ کے استقبال کے لیے چھ میل باہر جمع تھا۔ انگریز پر اس واقعہ سے دہشت چھا گئی اور دوسرے روز آپ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور دہلی سے مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کو بھی جو پہلے ہی گرفتار تھے لدھیانہ جیل منتقل کر دیے گئے۔ اور آپ پر بغاوت کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک آپ حضرات جیل میں رہے۔ ایک روز انگریز مجسٹریٹ کی عدالت میں پیشی تھی آپ تینوں حضرات ہتھکڑی لگی عدالت میں حاضر تھے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مولانا محمد صاحبؒ نے مجسٹریٹ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمیں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ انگریز مجسٹریٹ اس پر برافروختہ ہو گیا اور گالیاں بکنے لگا اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جس طرح پاگل کرتے ہیں۔ بہر حال مقدمہ دوسری تاریخ پر منتقل ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ پاگل ہو گیا ہے اور اس کو پاگل خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ دوسری تاریخ پر دوسرا مجسٹریٹ آیا اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ پہلا مجسٹریٹ حضرت مولانا محمد صاحب سے بحث کی وجہ سے پاگل ہوا

اس نے آتے ہی آپ حضرات کو بری کر دیا۔

علمائے لدھیانہ کا مشہور خاندان آرائیں قوم سے تھا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی سے پہلے ۱۸۳۰ء میں اس خاندان نے اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کا ساتھ دیا اور پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں سے ٹکر لی۔ لدھیانہ شہر کو فتح کیا اور دہلی تک سارا علاقہ فتح کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ ان چاروں صاحبزادے مولانا سیف الرحمٰنؒ، مفتی محمد عبداللہؒ، مولانا محمدؒ و مولانا عبدالعزیزؒ ان کے ساتھ تھے۔ دہلی کے چاندنی چوک میں انگریزوں کی فوج سے زبردست لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں علامہ عبدالقادرؒ کی اہلیہ فوت ہوگئیں اور جامع مسجد فتح پوری میں دفن ہوئیں۔ پھر مسلمان غداروں کی وجہ سے جنگ آزادی ناکام ہوئی اور سارا خاندان ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں ستلانہ میں روپوش ہوگیا۔ ۱۸۶۰ء میں علامہ صاحب کی وفات ہوئی۔ مولانا سیف الرحمٰن والد صاحب کے حکم پر حکیم قرشی کے والد کے ساتھ امداد حاصل کرنے افغانستان چلے گئے۔ باقی صاحبزادوں کی مخبری ہونے پر انگریزوں نے انہیں گرفتار کرلیا اور لدھیانہ میں ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ لیکن دوران مقدمہ جج پاگل ہوگیا، دوسرے جج نے آکر تینوں صاحبزادوں کو بری کر دیا۔ اسی خاندان کے افراد مفتی محمد نعیم لدھیانوی اور مولانا حبیب الرحمٰن

لدھیانویؒ نے ہندوستان کی جنگ آزادی اور تحریک ریشمی رومال سازش میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ماتحت حصہ لیا اور گرفتار ہوئے اور سزا کاٹی۔ ساہیوال سے مفتی ضیاء الحسنؒ اور گوجرہ سے ایم حمزہ ایم این اے، سابق چیئرمین پبلک اکاؤنٹس کمیٹی حکومت پاکستان اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

۱۸۶۱ء میں انگریز کی عدالت سے بری ہونے کے بعد مولانا محمد صاحب اور راقم الحروف کے دادا مفتی محمد عبداللہؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ نے لدھیانہ شہر میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام مدرسہ اللہ والا رکھا گیا۔ اس مدرسہ کی بنیاد دارالعلوم دیوبند سے ایک سال پہلے رکھی گئی۔ اس مدرسہ میں پاک و ہند کے مشہور مفتی مفتی محمد شفیع صاحب کے والد مولانا یٰسین صاحب مدرس تھے۔ پہلے سال موقوف الیہ تک درس نظامی کا سلسلہ شروع کیا پھر دورہ حدیث بھی شروع ہو گیا۔

مشہور بزرگ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے مرشد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اس مدرسہ کے طالب علم تھے اور حضرت مولانا محمد صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ تقسیم ملک سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ اسی مدرسہ کے طالب علم تھے ہزاروں علماء اور حفاظ اس مدرسہ سے فیض یاب ہو کر پورے ہندوستان میں دین اسلام کی اشاعت کا کام کرتے رہے۔

تقسیم سے قبل اس مدرسہ کے مہتمم راقم الحروف کے والد مفتی محمد نعیم لدھیانوی صاحبؒ تھے اور مدرسہ کا نام شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے نام پر مدرسہ محمودیہ اللہ والا رکھ دیا تھا۔ ہر سال اکابر دیوبند مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ جن میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین مدنی صاحبؒ، قاری محمد طیب صاحبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحبؒ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کے نام شامل ہیں۔

انگریزی استعمار نے برصغیر میں مسلمانوں کو اصول دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنے دور اقتدار میں جو سازشیں کیں ان میں ایک بھیانک سازش عقیدہ جہاد اور ختم نبوت کو متنازع بنانے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ میسحیت اور نبوت شامل ہیں۔ آج اس سازش کو پوری دنیا میں طشت از بام کرکے اور قادیانیت کو ننگا کرنے میں علمائے حق نے جو قربانیاں دیں پس منظر اور ابتدائی حالات میں اس سازش کو بھانپ کر ملت اسلامیہ کو اس سازش سے محفوظ رکھنے کے لیے جس نے جدوجہد کی وہ قافلہ علمائے لدھیانہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

علمائے لدھیانہ کے جد امجد علامہ مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ جن کی ساری زندگی انگریز کے خلاف جہاد میں گزری بلکہ انگریز کے خلاف سب سے پہلے فتویٰ

بھی انہوں نے مرتب کیا اور اس پر تمام علمائے ہندوستان کو متفق کیا۔

آپ کے صاحبزادگان مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ، مولانا محمد صاحبؒ، مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے اس دور میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے دعویٰ کی ہر سرعام تردید کی اور اس کے مرتد ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ جبکہ اس وقت بڑے بڑے مشائخ اور علماء اس کی چال کو نہ سمجھ سکے۔ چند ایک نے تو مرزا کو اس وقت مرد صالح قرار دیا لیکن علمائے لدھیانہ نے اس کے دجل کا پردہ چاک کر کے اس پر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا اور علمائے لدھیانہ نے ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۹۰ء دار العلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں جا کر اکابر دیوبند کو اپنے فتویٰ پر قائل کیا۔ اس طرح اس محنت شاقہ سے دیگر مکاتب فکر کے علماء نے ان کے فتویٰ کی تصدیق کی جن میں بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی شامل ہیں۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کی کوشش سے علمائے حرمین نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی۔ ان حالات کے تناظر میں اگر یہ کہا جائے کہ اصل فتویٰ علمائے لدھیانہ جاری کیا اور علمائے دیوبند سمیت باقی تمام علماء نے اس کی تصدیق و توثیق فرمائی تو تاریخی اعتبار سے عین صادق ہے۔

مشہور مقدمہ بہاولپور میں محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے مرزا کی نبوت کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو علمائے لدھیانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحبؒ اور مولانا محمد صاحبؒ انوری نے حضرت شاہ کی معاونت فرمائی بلکہ مولانا انوری صاحب نے عدالتی کاروائی کے دوران حضرت علامہ کو کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

انگریز حکومت کے زیر سایہ قادیان کو منی ریاست بنایا گیا۔ اس وقت رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے قادیانیت پر ضرب کاری لگانے کے لیے نبوت کا ذبہ کو للکارا اور ہندوستان میں مرزائیوں کے گھر قادیان میں پہلی ختم نبوت کانفرنس ۱۹۳۵ء منعقد کی۔ جس میں اس زمانہ کے علماء کے علاوہ امیر شریعت حضرت مولانا عطا محمد شاہ بخاریؒ نے عشاء کی نماز کے بعد سے فجر کی نماز تک تمام رات مرزائیت کے رد میں تقریر کی۔

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ:

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ ۱۸۸۸ء میں مفتی محمد عبداللہؒ کے گھر پیدا ہوئے اور 10 سال کی عمر میں مدرسہ اللہ والا میں مولانا محمد صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال مولانا نور احمد کے مدرسہ امرتسر میں تعلیم حاصل کی۔

۱۴ سال کی عمر میں دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے خاص تلامذہ میں شمار ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں حضرت شیخ الہند نے آپ کو اپنی طرف سے خاص سند بھی عطا فرمائی۔ پھر ایک سال افتا میں لگایا اور ۱۹۱۲ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے۔ شیخ الہند نے آپ کو اس وقت کے مشہور مدرسہ مٹوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں صدر مدرس تعین فرمایا اور آپ نے استاد کے حکم کی تعمیل میں ۶ برس تک وہاں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر لدھیانہ تشریف لائے اور اپنے مدرسہ اللہ والا میں مہتمم مقرر ہوئے۔ یہاں بھی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب شیخ الہند نے ریشمی رومال سازش کی تحریک شروع کی تو اپنے استاد کے حکم پر اس میں شامل ہوئے اور پشاور جاتے ہوئے مخبری ہونے پر گرفتار ہوئے اور تین سال سزا کاٹی۔

آپ شروع سے ہی جمعیت علمائے ہند میں شامل تھے اور مولانا حسین مدنی کے زمانہ میں جب وہ جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے۔ آپ تقسیم ملک تک جمعیت علمائے ہند کے نائب صدر رہے اور ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔

۱۹۳۰ء میں امروہہ کے اجلاس میں جمعیت نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا ریزولیشن منظور کیا اس اجلاس میں ریزولیشن آپ نے پیش کیا اور منظور ہوا۔ اجلاس

کے بعد آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور ۲ سال قید ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں انگریز ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں آپ گرفتار ہوئے اور بغیر مقدمہ چلائے ابنالہ جیل میں ۲ سال نظر بند رہے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ خاندان کے ساتھ ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف لائے۔

1951ء میں اہلیہ کے انتقال کے بعد جامع مسجد منڈی بہاؤ الدین میں بطور خطیب مقرر ہوئے اور ۱۰ سال وہاں تعلیم و تدریس اور خطابت میں مشغول رہے۔ فیصل آباد میں جناح کالونی جامع مسجد کی تعمیر ہوئی چونکہ یہاں لدھیانہ شہر کے بہت مہاجر آباد تھے اور مسجد کی انتظامیہ میں وہ لوگ شامل تھے اس لیے ایک وفد آپ کی خدمت میں جامع مسجد منڈی بہاؤ الدین پہنچا اور فیصل آباد جناح کالونی جامع مسجد میں بطور خطیب کے تقرر کی تجویز پیش کی۔ منڈی بہاؤ الدین والے آپ کو چھوڑ آنے پر تیار نہیں تھے۔ کیونکہ آپ روزانہ درس قرآن دیا کرتے تھے کچھ آپ کی رغبت طبع اور فیصل آباد والوں کے اصرار پر ۱۹۶۱ء میں آپ جامع مسجد جناح کالونی میں بطور خطیب خدمات سرانجام دینے کے لیے تشریف لائے۔

آپ متبحر عالم دین تھے۔ آپ کے شاگردوں میں مشہور عالم دین لکھنؤ میں مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کراچی

شامل ہیں اور چونکہ دارالعلوم دیوبند سے افتا کی سند بھی آپ کے پاس تھی اس لیے فتویٰ کا کام بھی بغیر کسی معاوضہ تاحیات ادا کرتے رہے۔ حتی کہ ۱۹۷۱ء جنوری میں ۸۳ سال عمر میں وفات پائی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ

دریائے بیاس اور ستلج کے مابین آبادی کو دوآبہ کہتے ہیں۔ لدھیانہ اس کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ شہر سیاسی اور مذہبی بیداری میں تاریخ کا ایک اہم ترین شہر شمار کیا گیا۔ اسی شہر سے علمائے لدھیانہ کے جد امجد علامہ عبدالقادرؒ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ چھاؤنی کی فوج آپ کے ساتھ مل گئی۔ جیل کو توڑا اور تمام عدالتوں پر قبضہ کر لیا اور پبلک اور فوج کے ساتھ فتح کرتے ہوئے دہلی تک پہنچے۔ اسی شہر میں علماء کے خاندان میں ۱۸۹۲ء میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مولانا حافظ محمد زکریا کے ہاں پیدا ہوئے۔ خاندان پیدائشی انگریزوں کا باغی تھا۔ لہٰذا مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی ابتدائی تربیت اسی نہج پر ہوئی۔ دینی اور دنیوی تعلیم ابتدا کی منزلوں کے بعد مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے امرتسر مولانا نور احمد صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھ کر درس نظامی کی باقی کتابیں پڑھیں۔

تعلیم کا یہ سلسلہ ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔ اسی سال پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکوں پر انگریزوں کے ظلم کی داستانیں اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔

دوسرے اہل دل کی طرح مولانا حبیب الرحمٰن بھی جنگ بلقان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں دنوں لدھیانہ شہر میں ایک تقریر کی یہ مولانا کی زندگی میں پہلی تقریر تھی جس نے شہری عوام کو ترکوں کا ہمدرد اور انگریزوں کا دشمن بنا دیا۔ یہ خبر ان کے والد مولانا زکریا صاحبؒ کو پہنچی تو وہ مولانا حبیب الرحمٰنؒ کو لے کر دیوبند روانہ ہوئے کیونکہ شہر میں مولانا کی گرفتاری کی افواہ عام تھی۔

ان دنوں مدرسہ دیوبند کے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ ۱۹۱۹ء میں حادثہ جلیانوالہ میں مولانا کی پہلی گرفتاری ہوئی اور آپ کو ٦ ماہ قید ہوئی۔

دوسری گرفتاری غازی علم الدین شہیدؒ نے جب بدنام زمانہ راجپال کو قتل کیا تو ہوئی۔ اس میں مولانا کو ایک سال کی قید ہوئی اور امیر شریعت سید عطا اللہ بخاریؒ کو بھی ایک سال قید ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں مجلس احرار اسلام کا انعقاد ہوا اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کو پورے ہندوستان کا متفقہ طور پر صدر منتخب کیا گیا۔ آزادی کی تحریکوں میں مولانا کی زندگی کے 10 سال جیل میں گزرے۔ پاکستان بننے سے ۲

سال قبل آپ کو رہا کیا گیا۔ تقسیم کے بعد آپ پاکستان بہاولپور تشریف لائے جہاں آپ کی موررثی اراضی تھی۔ لیکن ۲ ماہ قیام کے بعد واپس دہلی تشریف لے گئے۔ صرف آپ کے تیسرے صاحبزادے مولانا انیس الرحمٰن صاحب لدھیانوی مدرسہ والی مسجد خالصہ کالج فیصل آباد میں مقیم رہے۔

مولانا نے ہندوستان جا کر مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور دہلی سے نقل مکانی کر کے جو مسلمان اطراف میں چلے گئے تھے ان کو دہلی لا کر بسانے میں کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ہندو مذہبی قوتوں نے دہلی میں مسلمانوں کے مشہور تبلیغی مرکز بنگلہ والی مسجد نظام الدین کو تباہ کرنے کی سازش تیار کی اس وقت کے امیر مولانا محمد یوسف صاحب کے مشورہ سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ہندوستان کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ملاقات کی اور دونوں حضرات نے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے سامنے یہ مسئلہ رکھا اور مطالبہ کیا کہ ہندوستان اور دہلی میں جو مسلمان آباد ہو چکے ہیں ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت کی پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ مسٹر ولبھ بھائی پیٹل نے مخالفت کی لیکن پارلیمنٹ کی اکثریت نے مسلمانوں کے قیام دہلی کو اکثریت سے منظور کیا۔

قیام ہندوستان کے دوران آپ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں رہے اور اسی سلسلسہ میں ایک وفد لے کر ۱۹۵۱ء ہندوستان سے پاکستان آئے جس میں مشرقی پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھیم سین سچر اور دیگر ممبران اسمبلی شامل تھے اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں جو ہزاروں مسلمان عورتیں فسادات میں رہ گئیں ہیں اسی طرح پاکستان میں جو ہندو سکھ عورتیں رہ گئیں ہیں ان کی بازیابی کے لیے کوششیں کیں۔

۱۹۵۶ء میں آپ پر دہلی میں دل کا دورہ پڑا اور ۶۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ جامع مسجد کے قریب دہلی میں دفن ہوئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

مفتی ضیاء الحسن لدھیانویؒ

آپ مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۱۹۱۷ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم مشن ہائی سکول لدھیانہ میں حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں دورہ حدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ سے پڑھا۔ اسی زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۲۰ سال جلاوطنی کے بعد حجاز سے ہندوستان تشریف لائے چونکہ مولانا سے

خاندانی تعلقات تھے۔

اس لیے ۲ سال ان کے سفر و حضر میں شامل رہے اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اسی دوران مولانا سے تفسیر قرآن اور شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ البالغہ پڑھی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے ذہین طلباء میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے ساتھ آپ کا خاص تعلق تھا۔

چونکہ خاندان سیاسی تھا اس لیے ذہن بھی سیاست کی طرف مائل تھا۔ دوران تعلیم دارالعلوم آپ نے ایک تحریک شروع کی اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تین ہزار طلباء زیر تعلیم تھے۔ ان کی اکثریت صوبہ سرحد اور پنجاب کی تھی لیکن کوئی بھی استاد صوبہ سرحد اور پنجاب کا نہیں تھا۔ طلباء نے تحریک چلائی کہ سرحد اور پنجاب کے علماء کو بھی دارالعلوم دیوبند میں بطور استاد مقرر کیا جائے اس پر دارالعلوم میں ایک دن کی اسٹرائیک بھی ہوئی۔ چنانچہ دارالعلوم کے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا اور اس وقت سرحد سے مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک راولپنڈی سے قاضی شمس الدین صاحب اور کبیر والا ضلع ملتان سے مولانا عبدالخالق صاحب کو بطور مدرس تعینات کیا گیا جو کہ تقسیم تک یہاں تعلیم دیتے رہے۔

آپ سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند کے قریب تھے۔ ۱۹۴۶ء میں

جمعیۃ کے ٹکٹ پر نیشنل اسمبلی کے الیکشن میں ضلع لدھیانہ رائے محمد اقبال رائے کوٹ کے مقابلہ میں حصہ لیا۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ پاکستان بننے کے بعد ساہیوال تشریف لائے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا چونکہ علمائے لدھیانہ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ پس آپ اکثر لدھیانہ تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق لدھیانہ میں بچیوں کی تعلیم کا ایک ادارہ ۱۹۴۱ء میں مدرسہ بنات الاسلام کے نام سے جاری کیا گیا۔ جس کا سنگ بنیاد مولانا عبید اللہ سندھی نے رکھا۔ تقسیم کے بعد اسی ادارہ کو ساہیوال شہر میں ایک ہائی سکول کی متروکہ بلڈنگ میں شروع کیا گیا اور بنات الاسلام گرلز ہائی سکول کے نام سے جاری کیا گیا۔ اس میں دینی تعلیم کے علاوہ مروجہ تعلیم میٹرک تک تھی۔ آپ کی ہمشیرہ کلثوم مفتی صاحبہ اس ادارہ کی پرنسپل تھیں جنہوں نے سکول کی تعلیم کے علاوہ درس نظامی میں اپنے والد مفتی محمد نعیم صاحب سے عالمہ تک کورس مکمل کیا ہوا تھا۔ بھٹو دور نیشنلائز کے بعد ازاں انہوں نے ضیاء القرآن کے نام سے ایک ادارہ رہائشی بلڈنگ میں قائم کیا جس میں قرآن کریم کا ترجمہ مع تفسیر اور بخاری شریف کا درس شامل ہیں۔ یہ ۲ سال کا کورس ہے۔ اس میں میٹرک پاس سے گریجویٹ تک لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور ہر سال ۶۰ تا ۷۰ لڑکیاں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ بچیوں کے لیے قرآن کریم ناظرہ اور حفظ کا درجہ بھی ہے۔ اس میں تین صد لڑکیاں زیر تعلیم ہیں اور ہمشیرہ صاحبہ کے علاوہ چار استانیاں تعلیم دینے میں مشغول ہیں۔

مفتی صاحب چونکہ سیاسی ذہن رکھتے تھے اس لیے آپ مسلم لیگ ضلع ساہیوال کے صدر منتخب ہوئے اور پنجاب مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ انجمن ہلال احمر پنجاب کے صدر بھی رہے۔ مدرسہ بنات اسلام کے علاوہ آپ نے ننگل انبیاء ہائی سکول اور محمودیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی جو کہ سب سکول اچھی طرح تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں بھٹو دور میں نیشلائز ہوئے جو کہ اب تک جاری ہیں۔

۱۹۸۳ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا پھر برین ہمرتج ہوا اور صرف چند دن ہسپتال میں رہ کر وفات پا گئے۔ وفات کے وقت آپ کی ۶۶ سال تھی۔

مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

آپ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم کے بعد قرآن کریم حفظ کیا آپ کے دادا حافظ مولانا محمد زکریا صاحب نے تین ماہ میں قرآن کریم حفظ کیا تھا اور ایک رات

میں سارا قرآن کریم سنا دیا۔

آپ نے ابتدائی کتب مدرسہ انوریہ شاہی مسجد لدھیانہ میں مولانا عبداللہ صاحبؒ کے پاس پڑھیں۔ پھر مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو گئے۔ آپ کے ساتھی تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ مولانا سعید خان صاحب تھے اور

آپ کے ساتھ ۶۰ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے۔ مولانا انیس الرحمٰن صاحب حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت تھے اور آپ کو مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے خلافت بیعت بھی عطا کی تھی۔

شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب اپنی کتاب آپ بیتی میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے متعلق لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے عقیدت کی وجہ سے میں ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ حضرت رائے پوری سے بیعت بھی تھے۔ مولانا نے ازراہ محبت یہ بھی اصرار کیا کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکوں کو میری تربیت میں رکھیں۔ میں نے باوجود ان کی شفقت و محبت و اصرار کے معذرت کر دی انہوں نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے

اصرار بہت کرایا تو میں نے حضرت سے کہا کہ یہ رئیس الاحرار کے صاحبزادے ہیں میرا ان کا جوڑ نہیں کھانے کا۔

مولانا مرحوم نے کہا کہ تیری ساری شرائط منظور ہوں گی اور حضرت رائے پوری اس کے ضامن ہوں گے۔تو قرعہ فال عزیز گرامی قدر منزلت مولوی انیس الرحمٰن ناظم مدرسہ والی مسجد خالصہ کالج فیصل آباد کے نام نکلا کہ ان کی تعلیم اس وقت ایسی تھی کہ جوڑ کھا سکتی تھی۔میں نے چار شرطیں رکھیں۔

۱۔ اخبار دیکھنے کی بالکل اجازت نہیں ہوگی اگر کوئی شکایت اخبار دیکھنے کی مجھ تک پہنچی تو سلام علیکم۔

۲۔ کسی جلسہ میں جانے کی اجازت نہ ہوگی ابا جان کی تقریر ہو چاہے شاہ بخاری کی چاہے حضرت مدنی قدس سرہ کی ۔ مولانا مرحوم نے ان دونوں شرطوں کو بہت ہی بشاشت سے قبول فرمایا کہ میری اور شاہ کی تقریر میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں۔سیاست ہمارے گھر کی لونڈیا ہے ہم اس سے نمٹنے کے بعد سیاست دو مہینے میں سکھادیں گے۔

۳۔ تیسری شرط یہ تھی کہ مدرسہ میں بغیر میری اجازت باہر نکلنا نہ ہوگا۔

۴۔ چوتھی شرط یہ کہ طلبا سے تعلقات نہ رکھنے ہوں گے نہ دوستی کے نہ دشمنی کے نہ محبت کے نہ مخالفت کے۔عزیز موصوف کو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے۔میں ہمیشہ

اس کی اس ادا کا ممنون رہوں گا کہ میری پہلی دو شرطوں پر اس نے میری امید سے بہت زیادہ عمل کر کے دکھا دیا۔ حتی کہ ایک دو سال بعد جب میں نے مضرت نہ سمجھ کر اکابر ثلاثہ مذکورہ کی تقریر میں جانے کی اجازت بھی دی اور دل سے اخلاص سے دی تب بھی عزیز موصوف نے کہہ دیا کہ اب تو وعدہ پورا کرتا ہوں۔

اسی کا وہ ثمرہ تھا کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی نگاہ میں بھی عزیز موصوف منظور نظر بن گیا اور حضرت اقدس کی طرف سے خلافت بیعت عطا ہوئی۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے عزیز موصوف کو نیز عبدالجلیل کو بھی دونوں ایک سال میں مظاہر علوم سے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ ۶۰ ھ میں اور دونوں کو حضرت اقدس کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے اپنی مخلوق کی ہدایت کا کام لے۔ آمین۔

مولانا انیس الرحمٰن دماغ کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے ۱۹۷۴ء میں ۵۴ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ قبر مبارک مدرسہ والی مسجد خالصہ کالج فیصل آباد کے صحن میں ہے۔

مفتی ضیاء الحسین فاضل دیوبند مقیم مدینہ منورہ

راقم الحروف مفتی ضیاء الحسین ۱۹۲۵ء میں مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کے گھر لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مدرسہ محمودیہ اللہ والا لدھیانہ میں پڑھیں۔ ایک سال مدرسہ عربیہ جگراؤں ضلع لدھیانہ میں اس وقت کے مشہور عالم مولانا محمد ابراہیم صاحب کے زیر سایہ تعلیم و تربیت میں گزارا جو کہ تقسیم ملک کے بعد میاں چنوں میں تشریف لائے اور درس نظامی کا ایک مدرسہ جاری کیا۔

۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اس وقت کافیہ، قدوری وغیرہ کتب پڑھ رہا تھا۔ سات سال تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور اس وقت کے مشہور اساتذہ شیخ الأدب مولانا اعزاز علی صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، مولانا عبدالحق صاحب، اکوڑہ خٹک والے، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے زیر سایہ موقوف الیہ تک پڑھا۔ دورہ حدیث استاذ المکرّم مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے مکمل کیا۔

دوران تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے آنرز ان عربک کا امتحان دہلی سنٹر سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور ۱۹۴۶ء میں واپس لدھیانہ آیا اور مدرسہ محمودیہ اللہ والا لدھیانہ میں بطور مدرس تعینات ہوا۔ تقسیم ملک کے بعد کاروبار میں مشغولیت

رہی اور پڑھنے پڑھانے میں مشغولیت نہ رہی۔ جس کا بہت افسوس ہے اللہ تعالیٰ اس جرم عظیم کو معاف فرمادیں۔ آمین۔

میری والدہ صاحبہ لدھیانہ شہر کے تاجروں کے مشہور خاندان سے تھیں۔ چنانچہ میری شادی میرے رشتہ کے ماموں حاجی عبدالحق کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ نسبت تقسم ملک سے ایک سال قبل لدھیانہ میں طے ہوئی تھی جو کہ اس وقت لدھیانہ شہر کے بڑے تاجروں میں سے تھے اور تقسیم ملک کے بعد فیصل آباد میں مقیم ہوئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالعزیز سعودی عرب اور پاکستان کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ان کا ایک فائیو اسٹار ہوٹل، ہولی ڈے ان اسلام آباد، فیصل آباد اور کراچی میں بڑے کاروبار ہیں اور سعودی عرب میں انڈسٹری میں نمایاں ہیں اور ان کی نیشنلٹی بھی سعودی ہے۔

میرے ماموں حاجی عبدالحق صاحب فیصل آباد تبلیغی جماعت کے امیر تھے اور اکثر مجھے تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں پہلی مرتبہ ان کے ساتھ رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں شریک ہوا۔ اس وقت اجتماع موجودہ مرکز میں ہوتا تھا اس کے بعد پھر تبلیغ کی طرف رجحان نہ ہو سکا۔ میری اہلیہ مجھ سے پہلے تبلیغی جماعت میں جایا کرتی تھیں۔ میرا بڑا لڑکا محمد احسن ضیاء

جو کہ اب جاپان میں ہے والدہ کے ساتھ بطور محرم جاتا تھا بلکہ وہ خود بھی آٹھویں جماعت سے تبلیغ میں شامل ہو گیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں میری اہلیہ فیصل آباد شہر میں ہفتہ واری تعلیم میں گئیں اور وہاں پر مستورات کی ایک جماعت جھنگ شہر جانے کے لیے تشکیل ہوئی۔ میری اہلیہ نے میرا نام بطور محرم اس میں لکھوا دیا اور گھر آ کر مجھے کہا کہ تین دن کے لیے جھنگ جانا ہے اور آپ کو بطور محرم میرے ساتھ جانا ہو گا۔ میں نے کہا کہ اس کام میں شامل نہیں ہوں۔ میں اپنے کاروبار کی وجہ سے نہیں جا سکتا انہوں نے کہا کہ پہلے میں بڑے لڑکے کے ساتھ جاتی تھی وہ جاپان چلا گیا ہے چھوٹے دونوں لڑکے ساہیوال میں زیر تعلیم ہیں اور محرم کے بغیر جماعت میں جا نہیں سکتی۔ بہر حال قدرت کو منظور تھا کہ جس زندگی میں ہم چل رہے ہیں اس کو تبدیل کر دیا جائے۔ نہ معلوم کتنی دُعائیں اس کے لیے کرنی پڑیں ہوں گی۔

میں تین دن ان کے ساتھ مستورات کی جماعت میں چلا گیا اور جس سے میری زندگی تبدیل ہو گئی۔ ایک ہفتہ بعد میں تین چلہ کی جماعت میں چلا گیا اور ۲ سال بعد ایک سال کی جماعت میں یورپ جانا ہوا۔

اہلیہ کی مدینہ میں رہنے کی بہت خواہش تھی وہ اکثر عمرہ یا حج کے لیے جاتی رہتی

تھیں کیونکہ ان کے بڑے بھائی حاجی عبدالعزیز صاحب سعودیہ میں کاروبار کرتے تھے اور میری دوسری لڑکی شیناء ضیاء حاجی صاحب کے دوسرے لڑکے نثار عبدالعزیز کے عقد میں تھی۔ ۱۹۸۷ء میں ہم عارضی ویزا پر سعودی عرب چلے گئے۔ ۱۹۸۸ء میں اہلیہ مدینہ منورہ میں بیمار ہوگئیں ان کو شوگر کا پرانا عارضہ تھا پھر ان کو سینہ کا کینسر ہو گیا ان کا آپریشن مدینہ منورہ میں ہوا۔ وہ دو سال آپریشن کے بعد حیات رہیں اور مئی ۱۹۹۰ء میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش پوری کی۔

اس وقت سے میں سعودیہ میں مقیم ہوں اور دعوت کا وہ کام جو میری اہلیہ میرے سپرد کر گئی تھیں حتیٰ الامکان پورا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جو کام میرے ذمہ تھا وہ میں پورا نہ کر سکا اب دعوت کی اس لائن سے گناہوں کی تلافی فرمادیں۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ میرے لیے خاتمہ بالایمان پر موت کی دُعا فرمادیں اور مدینہ منورہ میں جگہ ملے۔

(نوٹ: حضرت مفتی ضیاء الحسین صاحب لدھیانویؒ نے فروری 2010ء میں وفات پائی۔ آپ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں جگہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور جنت البقیع مدینہ منوہ میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان کو اور ان کے بزرگوں کی بخشش فرمادیں۔) آمین

نذرِ عقیدت

تحریر: غازی عبدالعزیز لدھیانوی مرحوم

عالموں کا خاندان ہے لدھیانہ میں مقیم
فخر ہے جس کا حبیب اور ناز ہے جس کا نعیم

نسل میں سے اس مجاہد کے ہیں یہ سب باوقار
اپنے دشمن سے جو میدان میں لڑا مردانہ وار

دین حق کا عام کرنا ان کا نصب العین ہے
مصطفیٰؐ کا نام نامی ان کے دل کا چین ہے

رات دن اسلام کی خاطر یہ کرتے ہیں جہاد
اہلِ دل کہتے ہیں ان کو شادباش زندہ باد

لرزہ براندام ہے ہر وقت ان سے قادیاں
یہ اُڑا دیتے ہیں ہر جھوٹے نبی کی دھجیاں

نیک ہیں پُرجوش ہیں مزدور کے حامی ہیں یہ
جھوٹ کو نیچا دکھانے میں بڑے نامی ہیں یہ

ان کی خواہش ہے کہ پھر ہندوستان آزاد ہو
از سر نو ملک کی تعمیر کا آغاز ہو

۱۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ
۲۔ مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ (نائب صدر جمعیت علماء ہند)